سیرت
حضرت امام اعظم
ابو حنیفہ
رضی اللہ عنہ
مکمل
(حصہ اول و دوم)
از
حضرت مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ
ناشر: مکتبہ حنفیہ بخاری منزل گندپورہ عیدگاہ سرینگر

سیرت

حضرت امام اعظم

ابو حنیفہ

رضی اللہ عنہ

مکمل

(حصہ اوّل و دوّم)

از

حضرت مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

سابق صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر و بانی مہتمم
حنفیہ عربی کالج نور باغ سرینگر

ناشر: مکتبہ حنفیہ بخاری منزل گندرپورہ عیدگاہ سرینگر

اذا مرض الاسلام والدین مرضۃً
فمن نکت النعمان یلقی علاجہا

بار اول (مکمل)

۱۴۲۱ ہجری

مؤلف ... حضرت مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر .... مکتبہ حنفیہ بخاری منزل عیدگاہ

کتابت ..... عبدالحمید جاوید عیدگاہ سرینگر

تعداد ..... گیارہ سو

قیمت ..... بغیر جلد ۶۰ روپیہ

قیمت مع جلد .... = ۱۰۰ روپیہ

تاریخ اشاعت : ۴ ماہ شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ

ناشر: مکتبہ حنفیہ بخاری منزل گندرپورہ عیدگاہ سرینگر کشمیر

وَاِنْ كَسَدَتْ سُوقُ الْهُدٰى وَتَرَاجَعَتْ
فَمِنْ مَذْهَبِ النُّعْمَانِ يُلْفٰى رَوَاجُهَا

"لو قَالَ ابو حنيفةُ هٰذه
الاسطوانةُ مِنْ ذَهَبٍ لَاَقَامَ
الدَّلِيْلَ عَلٰى صِحَّةِ قَوْلِهٖ" (امام مالکؒ)

"اَلنَّاسُ عِيَالٌ فِي الْفِقْهِ
عَلٰى اَبِيْ حنيفةَ" (امام شافعیؒ)

"نَشْرُ حَيَاةِ الْعُظَمٰى يُسَاعِدُ
عَلٰى اِنْتِشَارِ الرُّقِيِّ الَّذِى
تَسْتَفِيْدُ مِنْهُ الْاِنْسَانِيَّةُ"
(الدکتور لوبون)

برسرشتہ دفتر صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر (سرینگر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احمدہٗ و اصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد!

امیر شریعت حضرت علامہ سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری قدس اللہ سرہ نے تصنیفات و تالیفات کا جو وافر ذخیرہ چھوڑا ہے وہ ہمارے لئے بمنزلہ مینارۂ نور ہے۔ جس سے ہم ہر وقت روشنی حاصل کر کے منزلِ مقصود تک پہونچ سکتے ہیں

الحمد للہ زیر نظر کتاب "سوانح حیات امام اعظم رض" جس کا حصہ اوّل آج سے تقریباً چالیس سال قبل انہوں نے قلمبند فرمایا تھا۔ اب مکمل صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

حضرت علامہ مرحوم کے دیگر غیر مطبوعہ مسودات کو بھی انشاء اللہ العزیز عامۃ المسلمین تک پہونچانے کی کوشش کیجائے گی وھو المراد

والسلام

سید فرید الرحمن بخاری
صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر
مہتمم حنفی عربی کالج نور باغ سرینگر

۴ شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ

نگاہِ اوّلین !

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

امّا بعد

حضرت سیدنا امام اعظم نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیتٌ من آیات اللہ تھے ـــــ دُنیائے انسانیت واُمّتِ مُسلمہ کے اس محسنِ اعظم واکبر پران کے دَورِ مبارک سے لیکر آج تک ہزاروں کتابیں لکھی گئیں ہیں ـــــ بعض علمائِ کشمیر نے بھی اپنی تصنیفات و تالیفات میں شرح وبسط کیساتھ خامہ فرسائی کی ہے۔

حضرت والد ماجد علامہ بخاری صاحب نے پچاس سالہ دورِ تصنیف و تالیف وصحافت میں آپ اور آپ کے مبارک مسلک کے دفاع میں تفصیلاً واختصاراً ہزاروں صفحات لکھ ڈالے۔ عربی میں آپ نے "المقالۃ النابغہ" کے نام سے جو مختصر سیرتی مقالہ حضرت امام اعظمؓ پر لکھا ہے۔ اس کی توصیف مدینہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد ربیع الھادی نے آج سے بارہ سال قبل حنفی کالج میں ان کے اعزاز میں منعقدہ اجلاس میں غیر مقلد علماء کی موجودگی میں کیا۔

آج سے تقریباً چالیس سال قبل حضرت مولانائے مرحوم نے سیرت امام اعظمؒ (حصہ اوّل) کے نام سے اردو میں ایک جامع علمی کتاب لکھی، جس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ زندگی کے آخری ایام میں وہ حصہ دوم لکھنے کے متمنی تھے، مگر کثیر المشاغل ہونیکی وجہ سے وہ اس کام سے معذور رہتے۔ بالآخر انہوں نے حصہ دوّم کیلئے چند اہم کتبِ قیمّہ سے مختلف مقالات کا انتخاب کر کے باب دوّم مدوّن کیا۔ لیکن اشاعت سے قبل ہی وہ دار البقاء تشریف لے گئے ـــــ جو لوگ عربی کی ضخیم کتب سیرت امام اعظمؒ یا دیگر زبانوں میں اُن پر لکھی گئی کتابوں سے استفادہ سے قاصر ہیں ان کے لئے یہ کتاب کافی روافی ہے۔

میں قائد اہل سنّت حضرت قبلہ علاّمہ محمد اشرف صاحب اندرابی کا بصمیم قلب سے مشکور ہوں کہ موصوف نے کتاب کا مقدمہ لکھکر کتاب کی افادیت میں گرانقدر اضافہ کیا۔

اس ضمن میں ناسپاسی ہوگی اگر بعض حضرت مولانائے مرحوم کے جانشین برادرِ عزیز مولوی سید محمد فرید الرحمٰن صاحب بخاری (صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر و مہتمم اعلیٰ حنفی عربک کالج) اور حضرت والد ماجد کے قابل فخر شاگرد جناب مولوی شوکت حسین صاحب کینگ کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے کتاب کی اشاعت کے معاملہ میں گرانقدر مشوروں سے نوازا۔ اللہ انہیں جزائے نیک دے۔

نیاز مند

سید ظفر احمد بخاری عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مقدّمہ

(از قلم فاضل یگانہ حضرت قائد اہلِ سنّت جناب مولانا مولوی سید محمد اشرف صاحب اندرابی مدظلہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعَزَّ الْعِلْمَ وَالْعُلَمَآءَ ط وَ جَعَلَهُمْ وَرَثَةَ الْاَنْبِیَآءِ ط وَخَصَّهُمْ بِخَشْیَتِهٖ فَقَالَ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عَبْدِهِ الْمُصْطَفٰی وَرَسُوْلِهِ الْمُجْتَبٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْهِدَایَةِ وَالتُّقٰی وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اُولِی الصِّدْقِ وَالصَّفَا،

اَمَّا بَعْدُ !

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ :-

یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ ط وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ط

"وہ (اللہ جل شانہ) حکمت عطا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے اور جس کو حکمت عطا کی جاتی ہے بے شک وہ خیرِ کثیر سے نوازا گیا۔"

اس ارشادِ ربانی میں حکمت کے کلمے سے مفسرینِ کرام نے علم فقہ مراد لیا ہے۔ اور خود صاحبِ قرآن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس ارشادِ گرامی میں اسی معنی کیطرف رہنمائی فرمائی ہے:-

" مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّ اللّٰہُ یُعْطِیْ " (متفق علیہ)

" جس شخص کو اللہ تعالیٰ خیر عطا کرنا چاہتا ہے اُسے علم دین عطا کرتا ہے او فقیہ بناتا ہے، اور میں تو (اسی فقہ کو) تقسیم کرنے والا ہوں، جبکہ عطا کرنے والا اللہ جل مجدہٗ ہے۔"

یہ متفق علیہ حدیثِ مبارک ہے اور اس میں بلاشبہ فقہ اور فقہائے کرام کی بہت بڑی مدح ہے اور دین میں بلند مرتبہ ہونے کی شہادت ہے ــــــ اسی مفہوم کی ایک صحیح حدیثِ مبارک امام ترمذی اور امام ابنِ ماجہ رحمہما اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کی ہے کہ فرمایا سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے:-

" فَقِیْہٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ " (مشکوٰۃ شریف)

" ایک فقیہ کا وجود شیطان معلون کے لئے زیادہ

سخت و ناگوار ہوتا ہے بہ نسبت ایک ہزار عابد کے۔"

اس حدیث مبارک میں پوری صراحت کے ساتھ فقہا کی عظمتِ شان کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ان ہی ارشادات کی روشنی میں حضرت امام اعظم رضؓ کے مایہ ناز تلمیذِ رشید امام محمد بن الشیبانیؒ نے فرمایا ہے:۔

تَفَقَّهْ فَإِنَّ الْفِقْهَ أَفْضَلُ قَائِدٍ
إِلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَأَعْدَلُ قَاصِدٍ
وَكُنْ كُلَّ يَوْمٍ مُسْتَفِيدًا زِيَادَةً
مِنَ الْفِقْهِ وَاسْبَحْ فِي بُحُورِ الْفَوَائِدِ
فَإِنَّ فَقِيهًا وَاحِدًا مُتَوَرِّعًا
أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ

ترجمہ:۔ "علم فقہ حاصل کرو، بے شک یہ علم بہترین رہنما ہے نیکی اور تقویٰ حاصل کرنے کے لئے، اور صحیح ترین پیغام رساں ہے (حق کی ترجمانی کرنے والا)۔ ہر روز اس علم شریف سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرتے رہو، اور علوم و معارف کے سمندروں میں غوطہ زن ہو کر دین و دنیا کے لعل و جواہر حاصل کرتے رہو، اس لئے کہ (حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق)

ایک باعمل صاحبِ تقویٰ فقیہ شیطان لعین پہ ایک ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔"

علمِ فقہ نام ہے اس علم کا جو کتاب و سنّت کے علوم معارف اور احکام و ہدایات کی تشریح کرتا ہے۔ یہ علم کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے (العیاذ باللہ) کوئی الگ چیز نہیں۔ جیسا کہ بعض مدعیان علم (جہلا) کا خیال ہے۔ کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصول و تصریحات کے مطابق فقہا مجتہدین نے مسائل واحکام کو مدوّن کیا اور جہاں کہیں ضرورت پڑی اجتہاد سے کام لیکر کتاب و سنّت سے ہی مسائل کا استخراج کیا۔ ان حضرات کو حق تعالیٰ نے علوم و معارف کا وافر حصّہ عطا فرمایا تھا، اور سید عالمین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ و تابعینؒ کے بعد یہی حضرات علوم و معارف نبوّت کے امین و خازن تھے۔

ان ہی فقہائے کرام اور مجتہدین ذوی الاحترام کے سالارِ اعظم نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ۔ جو دوسری صدی ہجری ہی سے " امام اعظم " کے لائق صد افتخار لقب سے عالم اسلام میں معروف ہیں۔

آپ سے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں

صحیح بخاری شریف و مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:۔

"اگر علم ثریا کے نزدیک پہونچ جائے تو فارس کے لوگ اس کو ضرور پالیں گے۔" مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اگر ایمان ثریا کے پاس پہونچ جائے تو مردانِ فارس کا ایک شخص اس تک ضرور پہونچ جائے گا۔"

اس مفہوم کی روایات معجم طبرانی اور دیگر کتبِ احادیث میں بھی آئی ہے۔ اور اکثر علماء نے ان کا مصداق حضرت امام اعظم کو قرار دیا ہے ـــــ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جو مسلکاً شافعی ہیں، فرماتے ہیں: کہ اس حدیث میں جسے ابو نعیم رح نے حلیہ میں بروایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرمایا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رض کے لئے بشارتِ عظمیٰ ہے۔ حدیث یہ ہے: "اگر علم ثریا تک پہونچ بھی جائے تو فارس کے جوان مردوں میں سے ایک اس تک پہونچ جائے گا۔" (تبییض الصحیفہ امام سیوطی رح)

اگرچہ بعض علماء نے بعض دیگر ائمہ محدثین مثلاً: حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کو بھی ان احادیث کا مراد قرار دیا ہے

تاہم حضرت امام اعظم رض کو ان کے مسلک سے تعلق نہ رکھنے والے علماء نے بھی ان حضرات میں شامل کیا ہے۔ جن کے بارے میں ان احادیث میں پیشنگوئی فرمائی گئی ہے ـــ حضرت امام سیوطی رح کا قول اوپر گزرا۔ نواب حسن خان بھوپالی مرحوم رح جو برصغیر کے غیر مقلدوں کے امام ہیں، اپنی تصنیف "اتحاف النبلاء" میں رقم طراز ہیں:۔

"صواب آنست کہ ہم امام (ابو حنیفہ) داخل ست وہم جملہ محدثین فرس باشارۃ النص"۔

صحیح یہی ہے کہ امام ابو حنیفہ اور دیگر عجمی نژاد محدثین اشارت النص سے اس بشارت میں داخل و شامل ہیں۔"

شیعہ عالم علامہ محمد معین الدین السندی قیاس و تقلید کا منکر ہونے کے باوجود اپنی تصنیف "دراسات اللبیب" میں لکھتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ رض تو اس منصب عظیم کے مالک ہیں، جس سے انہوں نے ثریا سے علم حاصل کیا ہے، جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قول اس طرف اشارہ کرتا ہے"۔

(سراج الامہ از محبوب الٰہی رضوی)

خطیب نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ کہ ہشام بن مہران نے فرمایا:۔

"ابو حنیفہ رض نے خواب میں دیکھا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبرِ مقدس کو کُرید رہے ہیں۔"

چنانچہ وہ بصرہ آئے اور ایک آدمی کو تعبیر حاصل کرنے کی غرض سے حضرت امام ابن سیرین رض کی خدمت میں بھیجا، امام ابن سیرین رض نے جواب سُنکر فرمایا: اس خواب کا دیکھنے والا علومِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایسی اشاعت کرے گا، جیسی اس سے پیشتر کسی نے نہیں کی۔"

اسی طرح کی روایت حضرت امام حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی نقل کی ہے۔ (تاریخ بغداد والخیرات الحسان)

امام ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رض اپنے مذہب کی طرف دعوت دیتے ہیں اشارۂ نبویّہ کے بعد مشغول ہوئے، جو اُن کو خواب میں ہوا۔ (الخیرات الحسان)

غرض آپ کا وجود معجزاتِ نبویّہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام میں سے ایک معجزہ ہے، اور آپ علم وفضل، فہم و فراست، زہد و تقویٰ اور اجتہاد و عرفان میں اپنے تمام ہمعصر ایمہ و علماء سے مافوق تھے آپ کے معاصر ایمۂ حدیث و فقہ اور سلوک و معرفت نے نہ صرف یہ کہ آپ کی ذات کو ثقہ قرار دیا ہے۔ بلکہ آپ کی علوشان اور مرتبۂ امامت کا بھی شرح صدر کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ اسی طرح ان کے بعد آنے والے ہر مسلک کے علماء و فضلاء نے آپ کی علمی جلالت

اور فقہی بصیرت کا شاندار الفاظ سے ساتھ ذکر کیا ہے

البتہ کچھ معاندین اور حاسدین نے آپ کی شان میں جو ہرزہ سرائی کی ہے، وہ مجنونوں کی بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، یہ وہی لوگ ہیں جو علم وفضل اور تقویٰ و للہیت کے اس آفتاب عالم تاب کے مقابلہ میں شپّر کی حیثیت رکھتے ہیں، جو اس نیر اعظم سے آنکھیں ملانے کی تاب نہیں رکھتے۔

وَاِنَّهُمْ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ۔

لیکن منصف مزاج غیر مقلد مسائل میں اختلاف رکھنے کے باوجود اس جلیل القدر امام کی عظمت و فضیلت کے قائل ہیں اور اس کا اعتراف کرنے میں بخل نہیں کرتے ـــــ بار خاطر نہ ہو تو ذیل میں ایک طویل اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔ یہ ہمارے اس دور کے متعصب اور کٹ حجتی غیر مقلدین کے سرمۂ بصیرت ثابت ہو سکتا ہے، بشرطیکہ دلوں کو تعصب اور عناد کے میل سے پاک کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹیؒ مرحوم کا شمار برصغیر کے بیسویں صدی کے چوٹی کے اہل حدیث (غیر مقلد) علماء میں ہوتا ہے ـــ آپ اپنی کتاب " تاریخ اہل حدیث " میں حضرت امام اعظم رضؓ کے متعلق اپنی ذاتی رائے کا اظہار اسطرح کرتے ہیں :۔

فضلِ ربّانی!

"ہر چند کہ میں گنہگار ہوں لیکن یہ ایمان رکھتا ہوں اور اپنے صالح اساتذہ جناب مولنا ابو عبد اللہ غلام حسن صاحب مرحوم سیالکوٹی اور جناب حافظ عبد المنان صاحب مرحوم محدث وزیر آبادی کی صحبت و تلقین سے یہ بات یقین کے رتبے تک پہونچ چکی ہے کہ بزرگانِ دین خصوصاً حضرات ایمہ متبوعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے حسنِ عقیدت نزولِ برکات کا ذریعہ ہے۔ اس لئے بعض اوقات خدا تعالیٰ اپنے فضلِ عمیم سے کوئی فیض اس ذرّہ بے مقدار پر نازل کر دیتا ہے۔ اس مقام پر اس کی صورت یوں ہے:۔ کہ جب میں نے اس مسئلہ کے لئے کتبِ متعلقہ الماری سے نکالیں اور حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتب کی ورق گردانی سے میرے دل میں کچھ غبار آگیا، جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا۔ یکایک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا۔ گویا: "ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کا نظارہ ہو گیا۔ معاً خدا تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالا کہ "یہ حضرت امام صاحبؒ سے بدظنی کا نتیجہ ہے، اس

سے استغفار کرو۔" میں نے کلمات استغفار دہرانے شروع کئے
وہ اندھیرے فوراً کافور ہو گئے اور ان کی بجائے ایسا نور
چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا۔ اُس وقت سے
میرے حضرت امام صاحبؒ سے حُسنِ عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی
اور میں ان شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحبؒ سے حُسنِ
عقیدت نہیں ہے۔ کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال اس
آیت کریمہ کی ہے۔ کہ حق تعالیٰ منکرین معارج قدسیہ آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے فرماتا ہے:۔

"اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى" (النجم)

"کیا تم اس سے جھگڑتے ہو، اس پر جو اس نے دیکھا"
میں نے جو کچھ عالم بیداری اور ہوشیاری میں دیکھ لیا
اس میں مجھ سے جھگڑنا بے سُود ہے ــــــ"

هٰذَا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْهِدَايَةِ۔ ❊

خاتمۃ الکلام

اب میں اس مضمون کو ان کلمات پر ختم کرتا ہوں، اور
اپنے ناظرین سے امید رکھتا ہوں کہ وہ بزرگانِ دین سے خصوصاً
ائمہ متبوعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے حسنِ ظن رکھیں اور
گستاخی اور شوخی و بے ادبی سے پرہیز کریں کیونکہ اس کا نتیجہ

ہر دو جہاں میں موجب خسران و نقصان ہے۔

نَسْئَلُ اللّٰہَ الکَرِیْمَ حُسْنَ الظَّنِ وَالتَّاَدُّبِ مع الصالحین ونعوذ باللہ من سُوْٓءِ الظَّنِ بِہِم والوقیعۃ فیھم فانّہ عِرقُ الرّوضِ والخُروجِ وَعلامۃُ المَارِقِیْنَ وَلَنِعْمَ مَا قِیْل۔

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم شد از لطف ربّ

خاکپائے علماءِ متقدمین و متاخرین، حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی " (تاریخ اہل حدیث ص ۲۲۷، ۱۷۱)

ماضی قریب کے اس ممتاز اہل حدیث (غیر مقلد) عالم نے اپنی محولہ بالا اسی کتاب میں اپنے استاذ مولانا عبدالمنانؒ صاحب وزیر آبادی کے تذکرہ میں لکھا ہے:۔

"آپ ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بہت ادب کرتے تھے۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے: کہ جو شخص ائمہ دین اور خصوصاً حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بے ادبی کرتا ہے اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔"

(تاریخ اہل حدیث ص ۴۳۷ طبع لاہور)

یہاں پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ یہ مولانا عبدالمنان

صاحب وزیرآبادی وہی ہیں، جنہیں سردار اہل حدیث حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ نے اس دور کا امام بخاری کہا ہے۔

ہم نے یہ طویل اقتباس اس لئے نقل کئے ہیں تاکہ ہمارے یہاں کے بعض مدعیانِ عمل بالحدیث عبرت حاصل کریں، اور اپنے اکابر کی آراء کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل پر غور کریں کہ وہ کس راستے پر چل رہے ہیں اور اس نامور فرزندِ اسلام حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بے علم اور سیدھے سادھے لوگوں کو کس طرح بدظن کرنے کی مذموم کوششیں کرکے اپنی عاقبت برباد کرتے ہیں، جس نے اپنے علم و فضل اور فقہ و اجتہاد سے اُمّتِ مُسلمہ کو تاقیامِ قیامت نہ مٹنے والی روشنی سے منوّر کیا۔

اس عظیم الشان فقیہ، بلند مرتبہ مجتہد اور فقید المثال عارف کامل کو حق تعالیٰ شانہ نے ایسا خلعتِ مقبولیت عطا فرمایا ہے، کہ (تقریباً) دوسری صدی ہجری سے آج تک عالم اسلام کی غالب اکثریت مسائلِ فقہیہ میں ان ہی کی تقلید کرتی چلی آرہی ہے۔ اور ان کے مسلک کے پیروکاروں میں نابغۂ روزگار، محدث، فقیہ، صوفیاء کرام اور ہر علم و فن کے اعاظم رجال نظر آتے ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔

مشاہیر اُمّتِ اسلامیہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی اس لحاظ سے ایک منفرد مقام کی مالک ہے کہ آپ کی سوانحِ حیات اور عظیم علمی کمالات اور دینی خدمات پر دنیا کی تقریباً تمام قابلِ ذکر زبانوں میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

مسلمان اہلِ قلم علماء و فضلاء کے علاوہ غیر مسلم مصنفین بالخصوص یورپین مستشرقین نے آپ کی قانونی مہارت، بلند اخلاقی اور دیانت داری کے موضوعات پر تحقیق و تلاش کے میدان سر کئے ہیں، معتقدین نے نثر و نظم میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے ــــــ اردو زبان بھی علم و فن اور سیرت و سوانح کے اس گراں مایہ سرمایہ سے تہی دامن نہیں۔ آپ کی سیرت، فقہ اور اجتہاد پر اردو میں بہت سی ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں، اور اس کے ساتھ عربی زبان میں نامور محدثین و فقہا اور مورخین کی تحریر کردہ مبسوط کتب و سوانح کے تراجیم کو بھی اردو کا لباس پہنایا گیا۔ متوسط اور مختصر ضخامت کے رسائل و مقالات کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے۔

کشمیر سے جب سے اسلام کے مبارک قدم آئے ہیں، فرزندانِ توحید فقہِ حنیفہ پر عمل پیرا رہے اور حضرت امام

اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کی وجہ سے حنفی کہلاتے رہے ہے۔ آج بھی یہاں کے مسلمانوں کی اکثریت اسی مسلک سے وابستہ ہے۔ البتہ گذشتہ کئی دہائیوں سے عدمِ تقلید کی تحریک نے یہاں بھی اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کی منظم جدوجہد شروع کر رکھی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت امام ابو حنیفہ رض اور فقہی مذہب کے خلاف جو بے بنیاد اور مبنی بر تعصب پروپیگنڈا کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ اس کا جواب علماءِ احناف تحریر و تقریر کی صورت میں دیتے رہے، لیکن اس سلسلے میں حضرت امام صاحب رض اور ان کے علم و فضل کے متعلق جو تحقیقی مواد ضخیم کتابوں ملتا ہے اس تک عوام اور متوسط درجہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کی رسائی نہیں۔

حضرت علامہ سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کشمیر کے علماءِ احناف میں بلاشبہ اس لحاظ سے ممتاز نظر آتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی مسلک حنفی کی ترویج و اشاعت میں گذاری۔ نصف صدی سے زائد مدت پر پھیلے ہوئے ان کے تدریسی، تبلیغی، تقریری اور تحریری کارناموں کا محور "حنفی مسلک و صوفی مشرب" ہی رہا۔ دارالعلوم حنفی عربی کالج ان ہی مساعیٔ جمیلہ کی زندہ جاوید یادگار ہے

اگرچہ انہوں نے اپنے رسائل "التبلیغ" اور "الاعتقاد" کے سینکڑوں صفحات پر ایسے مضامین کا وافر ذخیرہ چھوڑا ہے، جن کا تعلق کسی نہ کسی پہلو سے حنفیت سے ہے۔ تاہم وہ اس آرزو کا ہمیشہ اظہار کرتے تھے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک ایسی سیرت ترتیب دی جائے جو نہ اس قدر ضخیم ہو کر عام قارئین کے لئے اس کا مطالعہ کرنا دشوار ہو، نہ ہی اس قدر مختصر کہ اہم مباحث تشنۂ تفہیم رہ جائیں۔ متوسط قد و قامت کی ایک ایسی تالیف جو تمام ضروری مباحث کو اپنے اندر سمیٹ لے، اسی آرزو کو حضرت مرحوم بخاری صاحب نے علمی شکل دی ہے تو زیر نظر کتاب تیار ہو گئی۔

اس کتاب میں حضرت امام اعظمؓ کے سوانح حیات بھی ہے اور سیرت و کردار کا بیان بھی۔ علم و فضل، حدیث و فقہ اور اجتہاد و عرفان میں آپ کے مرتبہ عالیہ کی توضیح و تشریح بھی۔ دیگر ائمہ کے آپ کے بارے میں تاثرات بھی ہیں، اور معاصرین کا اعتراف، گرامی قدر اساتذہ کرام کا ذکر جمیل بھی ہے اور عالی مرتبت تلامذہ کرام کا ترجمہ بھی ——————— حصہ دوم میں اجتہاد کی حقیقت اصول و شرائط اور ائمہ مجتہدین کے باہمی اختلاف کی توجیہ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ تصوف و احسان میں آپ کے مقام رفیع اور جود و سخا، مواساۃ و مداراۃ سے متعلق آپ کی سیرت کے تابناک

پہلو کو دلنشین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اختصار کے باوجود کوئی اہم اور قابلِ ذکر عنوان نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اندازِ تحریر دلنشین اور متین، مباحث مدلل اور عبارت عام فہم ہے۔ معترضین کے شبہات کا تعاقب کرتے وقت تلخ نوائی اور مجادلانہ طرزِ استدلال سے گریز کیا گیا ہے۔

جن حضرات نے سیرت امام اعظم رضؓ پر لکھی گئی ضخیم اور تحقیقی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے وہ بھی اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو انشاء اللہ قندِ مکرر سے شادکام ہوں گے۔ ولنعم ما قیل :-

اَعِدْ ذِکْرَ نُعمانَ لَنا اَنَّ ذِکْرَہٗ !

کَمِسْکٍ اِذا کَرَّرْتَہٗ یَتَضَوَّعٗ !

ہمارے لئے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بار بار ذکر کرو، اسلئے کہ انکا ذکر ایک ایسی کستوری ہے کہ جسکو جتنا رگڑو گے، خوشبو پھیلتی جائیگی۔

حق تعالیٰ اس تالیف کو شرفِ قبولیت سے نوازے، عام قارئین کیلئے اسکو ذریعۂ ہدایت، حضرت مؤلف مرحوم و مغفور کیلئے ذخیرۂ آخرت اور ترقیِ درجات کا موجب بنائے۔ اور ہم نیازمندوں کیلئے باعثِ مغفرت۔ آمین۔

والسّلام

فقیر محمد اشرف اندرابی کان اللہ لہ

تقریظ دلپذیر

(از قلم مولانا الحاج شوکت حسین صاحب کینگ قادری استاذ حنفیہ عربی کالج سیرنگر)

بعدِ حمدِ خدائے حیّ قیوم ٭ وز پسِ نعتِ سیّدِ معصوم ۱

مدحِ نعمان کارِ شایانم ٭ ناصرِ دین و حفظِ ایمانم ۲

کیست نعمان؟ بے نظیر و عدیل ٭ آیتِ ذاتِ پاکِ ربِ جلیل ۳

معجزہ ذاتِ حضرتِ نبوی ٭ وز کراماتِ دودۂ علوی ۵

نائبِ خاص باقر و صادق ٭ سیّدِ عالمین و ہم فائق ۶

آفتابِ سپہرِ رشد و ہدیٰ ٭ ماہتابِ سپہرِ صدق و صفا ۷

وارثِ علم انبیاءِ کرام ٭ والیِ ملکِ اولیاءِ عظام ۸

یادِ او عطرِ دین و ایمانست ٭ معطّر از یادش ارضِ ایمانست ۹

شکر اللہ امیرِ شرعِ مبین ٭ قاسمِ علمِ سیّدِ الاوّلین ۱۰

کرد تالیف سیرِ آں شہِ دین ٭ ایں کتابیست ہمچو درِّ ثمین ۱۱

ماہِ ملکِ یقین و حق الیقین ٭ بوحنیفہ امامِ اعظمِ دین ۴

عمرِ خود صرف در مدیحش کرد ٭ بود از مدحِ بوحنیفہ فرد ۱۲

تا رسید در جوارِ آں شہِ دین ۱۳

یا عزّت در مقامِ خلدِ برین

تقریظ

(از قلم حضرت قبلہ مولانا مولوی محمد مبارک صاحب سوپور، رکن مرکزی انجمن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیرِ نظر کتاب "سوانح حیاتِ امام اعظم رح" تالیف حضرت بحر العلوم امیرِ شریعت علامہ سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ میں جامع الفضائل مولانا سید محمد اشرف صاحب اندرابی (مدظلہ العالی) نے شرح و بسط سے جو کچھ تحریر فرمایا اس میں اب مزید کچھ اضافے کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت مولانائے مرحوم کے فرزند و جانشین مولوی سید محمد فرید الرحمٰن صاحب بخاری اور ان کے برادرِ اکبر سید ظفر احمد صاحب بخاری مبارک بادی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنے عظیم والد ماجد کی اس تالیف (جس کا حصہ اوّل آج سے قبل تقریباً تیئیس سال شائع ہوا ہے) کی طباعت کا اہتمام کرکے اہلِ علم و فضل خاصکر احناف کو علمی غذا بہم پہنچایا۔

فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔

ھٰذا ما عندی وصلی اللہ سیدنا محمد وآلہٖ وسلم

عبدِ حقیر
محمد مبارک عفی عنہ
سوپور کشمیر

تقریظ!

(از قلم گوہر رقم جناب مولانا غلام احمد صاحب سہروردی جنرل سیکریٹری انجمن تبلیغ الاسلام)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فما فی المشرقین لہٗ نظیرٌ ؛ ولا با المغربین ولا بکوفۃ

امیر شریعت حضرت علامہ سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری علمائے احناف میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ نے اپنی محبوب شخصیت حضرت سیدنا نعمان بن ثابت المعروف امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی سیرتِ مقدسہ پر زیرِ نظر کتاب تالیف کر کے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا۔ کتاب کی حسنِ ترتیب و حسنِ انتخاب سے میں زبردست متاثر ہوا۔ مرحوم کے صاحب زادہ محترم سید ظفر احمد بخاری صاحب اطال اللہ عمرہٗ نے کتاب کی اشاعت کا انتظام کر کے ایک قابلِ قدر خدمت انجام دی ——— مجھے امید ہے کہ اسلامیانِ کشمیر خاصکر احناف کا طبقہ کتاب کی خریداری میں مکمل تعاون کر کے سعادتِ دارین حاصل کریں گے۔ :

خاکسار

غلام احمد سہروردی

(جنرل سیکریٹری انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر)

تاثرات

(از مولوی منظور احمد صاحب قادری (ایم۔ اے بی ایڈ) لیکچرار کامرس، شاگرد علامہ مرحوم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر المرسلین وآلہ وصحبہ والائمۃ من الامۃ لاسیما حجۃ اللہ فی الارض سیدنا الامام الاعظم ابی حنیفۃ وعلیٰ اتباعہ اجمعین۔

یہ امر مخفی نہیں کہ دورِ حاضر میں مذہب اسلام کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹانے اور ملیامیٹ کرنے کے لئے جو پیہم جدو جہد اور متواتر تگ و دو جاری ہے، اور اس کی جڑوں کو متزلزل اور کھوکھلا بنانے کے خیال میں جو ناپاک منصوبے اور سازشیں کی جارہی ہیں، جن میں یہودیوں اور عیسائیوں کے مجرمانہ عزائم، ان کا خفیہ منشور، قادیانیت، اسلامی تحاریک اور اسلامی بیداری کو کچلنے کے منصوبے وغیرہ شامل ہیں۔ یہ اسلام دشمن عناصر اس قسم کی آگ سلگانے اور مشتعل کرنے میں مصروف ہیں، جس سے خرمنِ اسلام راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو کر ہمیشہ کے لئے اس کی شعاعیں فنا ہو جائیں

اور ہر لمحہ اس بات کی تاک میں ٹکٹکی باندھے ہوئے ہیں کہ وہ کونسی منحوس گھڑی ہوگی جبکہ اہلِ اسلام اس طاغوتی نظام میں پھنس کر ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں۔ اور ان کے دماغ وعقل وشعور غرض ہر چیز پر مطلق العنان ہو کر حکمرانی فرمانروائی کے مالک و مجاز بن جائیں۔

ان نازک حالات میں چاہیے تو یہ تھا کہ علماءِ ربانی وفضلاءِ حقانی میدانِ کارزار میں صف بستہ ہو کر سچے مجاہدوں کی طرح اسلامی پرچم کا سر بلند رکھنے میں خون کے آخری قطرہ گرنے تک اپنی جانوں کو قربان کرنے میں کوئی دریغ اور ہچکچاہٹ نہ کرتے تاکہ دشمنانِ اسلام کے تمام گندے ارادے خاک میں مل کر نہ صرف اس قسم کی ہزیمت اور شکست کھا جائیں کہ پھر انہیں سر اٹھانے کی کوئی ہمت وجرأت نہ پڑے بلکہ ان کے وجود کا نام ونشان کلیتًا باقی نہ رہے۔ لیکن شومیٔ قسمت سے موجودہ دور میں شاذ و نادر ہی کوئی ایسا فرد ہوگا جو صحیح معنوں میں قول وعمل کا مجسمہ ہو، اور گفتار و کردار کا نمونہ ہو ــــــ اکثر حضرات کا مسلک "دینھم دینارھم" ہے۔ اور انہی کے حق میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ مقدس ہے :۔

"علمائُھم شرٌّ من تحت ادیم السمآء من

عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود۔"

ایسے حضرات کو خدائے قدوس صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، کیونکہ ان پر اس قسم کا بھوت سوار ہو چکا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ابن الہمام اور فخر الاسلام سے کم نہیں سمجھتے ہیں ـــــ بجائے اس کے کہ وہ اپنے مذہب پر ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ رہ کر اس کی اشاعت و تبلیغ کرتے، اور اس کے احیاء میں عرق ریزی جانفشانی سے کام لیتے (جیسا کہ ہمارے اسلاف کا طریقہ تھا۔) ایسا رویہ اختیار کیا ہے جس سے یہ مترشح ہو رہا ہے کہ انہوں نے مذہب کو ختم کرنے کی ٹھانی ہے۔

موجودہ دور میں اختلافی مسائل کو زیر بحث لانا، اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر مذہبی اکھاڑا قائم کرنا اور فروعی مسائل کے جائز و ناجائز کی بھول بھلیوں میں پڑنا، تعلیم یافتہ طبقہ اسے نگاہِ حقارت و کراہت سے دیکھتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں اس قسم کی فروعی باتوں میں پڑنے سے مسلمانوں کی یکجہتی اور اتحاد میں رخنہ واقع ہونے کا اندیشہ ہے، اور ان کے شیرازہ کے بکھرنے کا قوی امکان ہے کہ بحیثیت مجموعی قوم اور ملت کے لئے زہر ہلاہل سے کم نہیں۔

اس سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں مذہب

حنفی پر رد و قدح اور طعن و تشنیع شروع ہوا، یہاں تک کہ تشدد اتنا بڑھ گیا کہ اس مذہب کے مقلدین کو مشرک، کافر اور قرآن و حدیث کے خلاف ٹھہرایا گیا ـــــــ حالانکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک اور طریقہ کتاب و سنّت اور صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کے دائرہ کے اندر ہے۔ اور دین کے معاملہ میں آپؒ نے نہایت احتیاط کا ثبوت دیا۔ کوئی بھی مسئلہ آپؒ نے کتاب و سنّت کے خلاف نہیں فرمایا ـــــــ اب اگر کوئی ان کو قیاس پرست کہتا ہے تو یہ اس کی کوتاہ نظری ہے، اور ایسے شخص کو قرآن و سنّت سے زیادہ اپنی رائے عزیز ہو سکتی ہے۔

بہرحال حضرت الاستاذ مولٰنا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے اس مختصر رسالہ میں یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ امت کے تمام ذمہ دار فقہاء، محدثین و مجتہدین نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تعریف اور علم اجتہاد میں اپنا امام تسلیم کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سے اہلِ علم نے آپؒ کے بہت سے مسائلِ اجتہادیہ کے خلاف رائے زنی بھی کی، لیکن اس سے آپ کی عظمت پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا ـــــــ اور جنہوں نے تنقید کی انہوں نے بھی اپنے فرض کا ثبوت دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مولٰنا صاحب مرحوم نے دلائل سے یہ بھی ثابت کیا کہ جو لوگ یہ کہتے پھرتے تھے کہ حضرت

امام غزالی رحؒ اور حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی رحؒ و دیگر محدثین آپ کے سنت بر خلاف ہیں، وہ غلطی پر ہیں۔ درحقیقت ایسے لوگوں ان کی عبارتوں کا منشا نہیں سمجھا۔

لہذا مولانا مرحوم نے حضرت امام ابو حنیفہ رحؒ کے مذہب اور طریقہ اجتہاد کو تاریخی شواہد کی روشنی میں بیان کیا تاکہ لوگ بہت بڑے مغالطہ اور بدگمانی سے خلاصی پائیں گے، اور ان کے دماغوں اور ذہنوں میں جو یہ بات بٹھائی گئی کہ امام ابو حنیفہ رحؒ حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر قیاس اور رائے سے کام لیتے ہیں۔ اس کی حقیقت اور اصلیت ان کے سامنے روشن ہو جائے گی اور خود مناسب فیصلہ پر پہونچ جائیں گے۔

واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم

الراجی الی رحمتہ الباری

منظور احمد قادری

ابن محمد ضیاء الدین قادری

دیباچہ حصہ اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّدنا محمدٍ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین وعلیٰ ائمۃ الدّین وصالحی المجتہدین الّذین اتبعوھم باحسانٍ ویقین ولاسیّما علیٰ امامنا الاعظم ابی حنیفۃ واحبابہٖ واتباعہٖ المفلحین ۔ اَمَّا بَعْدُ !

معزّز اور محترم قارئین کرام ! آپ اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ خدائے قدّوس نے اُمّتِ مرحومہ کو بہت سی عنایتوں اور مہربانیوں سے نوازا ہے ۔ من جملہ آں کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت میں بڑے بڑے جلیل القدر اور عظیم المرتبت مجتہدین ومحدثین کو پیدا فرمایا جنہوں نے کتاب وسنّت کی ایسی شاندار خدمت کرکے حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم کے ارشاد " عُلماءُ اُمّتی کانبیاءِ بنی اسرائیل " کی عملی تفسیر فرمائی ، اور اپنے پیغمبر کی پیشین گوئی کو آفتاب

عالمتاب کی طرح چمکا دیا اور یہ اسی پیغمبر برحق صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی سچّی پیشینگوئی کا واضح نتیجہ ہے کہ اب تک مسلسل اور لگاتار اُمّتِ مرحومہ ان حضرات کی روایت و درایت اور نقل و فقہ سے مُستفید ہوتی رہی اور اِن شاء اللہ قیامت تک اُمّت کے عوام و خواص اُن کے کارناموں سے دینی و دُنیوی فایدے حاصل کرتے رہیں گے، اور کوئی بھی فرد یا جماعت مسلمان رہ کر اُن حضرات کی علمی خدمات اور دینی برکات سے بے نیاز ہو نہیں سکتی اور یہی اِن حضرات کی حقّانیت اور صداقت کی کھلی نشانی اور روشن دلیل ہے۔ یہ حضرات مجتہدین و محدّثین ہر قرن و ہر زمانہ میں اعلیٰ حسب المراتب پیدا ہوئے، اور ہر ایک کے پیرو موجود ہیں۔ لیکن ان میں سے چار ائمّہ دین نے نمایاں حیثیت اور امتیازی شان اُمّت میں حاصل کی وہ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ بن انس اور امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔ پھر ان چار اماموں میں سے امام الائمّہ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو بلحاظِ تقدّم زمانہ و نزدیکی با زمانہ جناب رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور استاذ الاساتذہ ہونے کی حیثیت سے جو اہمیّت و عظمت حاصل ہے وہ سب عوام و خواص جانتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انجمن تبلیغ الاسلام کی معزّز ورکنگ کمیٹی نے ہر سال ۱۴ ماہ شعبان

المعظم کو آپ کا روزِ وصال منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ ریاست کے تمام مسلمان عموماً اور حنفی مسلک پر چلنے والے دوست خصوصاً آپ کی علمی عظمت اور اجتہادی شان وشوکت سے اچھی طرح باخبر ہوکر اپنی حیثیت اور اپنا مقام سمجھیں گے، اور اپنے بزرگوں کے کارناموں سے اپنا دین وایمان تازہ کرینگے ۔ اس لئے انجمن کے بعض ممبروں نے اس ہیچمدان کو حکم دیا کہ تم مقامی دینی ضروریات مدنظر رکھ کر آپ کے حالاتِ طیّبات پر ایک مختصر رسالہ لکھو ۔ میں نے اوّلاً اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی ملحوظ رکھکر معذرت پیش کی مگر جب ان کا اصرار والحاح حد سے بڑھا تو باوجود تدریس وتبلیغی مشاغل کے حصّہ اوّل تیار کیا ۔ یہ حصّہ اگرچہ ایک اعتبار سے تمہیدی ہے لیکن اور کئی وجوہ کے اعتبار سے بہت مفید اور کارآمد ہے ۔ بایں ہمہ مجھے اعتراف ہے کہ جلدی کی وجہ سے اس کتابچہ کی جو ترتیب وتبویب ہونی چاہیئے تھی اور عبارت کی جو لطافت وسلاست مناسب تھی وہ اس میں نہیں ...... الخ

العبد الضعیف

بخاری

حالاتِ امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رض

آں جناب کی ولادت باسعادت عبدالملک بن مروان کے عہدِ خلافت ۸۰ھ میں ہوئی۔ آپ کا اسمِ مبارک نعمان اور ابوحنیفہ کنیت ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے :-

نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ ،

بعض علماء جناب کا نسب یوں بیان کرتے ہیں :-

نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ۔

بعض حضرات اور طریقہ سے بیان کرتے ہیں ۔

حضرت امامؒ کے آباء عجمی تھے ۔ ثابت اسلام پر پیدا ہوا ، اور اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوا ۔

حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ثابت کی ذریّت اور اولاد کے حق میں دعائے برکت فرمائی ۔ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ثابت کی پشت سے حضرت امام ابوحنیفہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا رئیس المجتہدین پیدا کیا۔

نعمان اور ابو حنیفہ کی لفظی ولغوی تحقیق

نعمان، فعلان کے وزن پر ہے۔ عربی زبان میں اس کے مختلف معنی آتے ہیں۔ اوّلاً:۔ نعمان اس خون کو کہتے ہیں کہ جس سے جسم کی نشو و نما اور بدن کا تحفّظ و قوام ہو جائے۔ ثانیاً:۔ نعمان روح کو کہتے ہیں۔ ثالثاً:۔ نعمان ایک قسم کی سُرخ گھاس ہے کہ جس کی خوشبو اور مہک بہت پاکیزہ ہوتی ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ ان تینوں معنوں میں اس بات کی طرف لطیف اور بہترین اشارہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضؓ دینِ اسلام کے لئے بمنزلہ روح ہوں گے اور آپ کے علم و فیض، دیانت و امانت سے دین حق کی نشو و نما ہو گی۔ اور دینِ قیّم آپ کے علمی کمالات سے معطّر ہو گا۔

بعض علماء فرماتے ہیں: کہ،

نعمان کا "الف" و "نون" زاید ہے اور یہ نعمت سے نکلا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ دینِ حق کے لئے نعمتِ الٰہی ہوں گے۔ الحمد للہ آنجناب اسم بامسمّٰی ثابت ہوئے رضی اللہ عنہ

......ﷺ......

کُنیتِ "ابو حنیفہ" کی تحقیق

اَبٌ 'مضاف' اسمائِ ستّہ مکبّرہ میں سے ہے یہ حالتِ رفعی، نصبی، جرّی میں بدلتا ہے۔ عربی میں اسکے معنیٰ "باپ" "صاحب" وغیرہ آتا ہے۔ حنیفہ :۔ حنیف کی مؤنث ہے۔ یہ مطابق قواعد "حنف" سے نکلا ہے جس کا معنیٰ میلان اور رغبت کے آتا ہے۔ اسلام میں حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو باطل سے اعراض کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف اپنا ظاہر و باطن متوجّہ کرلے۔ اس مقام پر حنیفہ حنیف کا مؤنث نہیں ہے کیونکہ اگر یہ معنیٰ مراد لیا جائے تو اس کا یہ تقاضا ہے کہ اس نام (حنیفہ) کی آپ کی کوئی صاحبزادی ہو جو حضرات محققّین کے نزدیک ثابت نہیں۔ بلکہ حنیفہ کا دوسرا معنےٰ یہاں مراد ہے، وہ یہ ہے کہ عراقی زبان میں حنیفہ "دوات" کو کہتے ہیں۔ چونکہ دوات ہر وقت حضرت امامؒ کے ساتھ تحقیق اور تلاش حق کیلئے رہتی تھی اس لئے ابو حنیفہ کی کُنیت سے مشہور ہوتے۔ ابو حنیفہ کے اضافی معنیٰ صاحبِ دوات کے ہوئے، گویا آپ نے اہل اسلام کو ابتدا ہی سے لکھنے پڑھنے اور تحقیق و تلاش کی طرف توجہ دلائی —
فجزاہ اللہ احسن مایجزی بہ عبادہ الصّالحین" آنجناب سے پہلے چند غیر معروف تابعین کے سوا کسی کی کُنیت ابو حنیفہ نہ تھی۔

ابو حنیفہؒ کی معنوی خصوصیات

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے معاصرین پر یہ عزت و شرف بخشا کہ آپ باتفاق فقہائے کرامؒ و محدثین عظامؒ تابعین میں سے ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، امام ذہبیؒ، امام سیوطیؒ، ابن حجر المکیؒ ابن الجوزیؒ، الدارقطنیؒ، ابن سعدؒ، خطیب بغدادیؒ، جزریؒ، حجزریؒ، وغیرہم محدثین و مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے خادم النبیؐ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بچپن میں دیکھا ہے۔ اور تابعی ہونے کیلئے صحابیؓ کو دیکھنا کافی ہے۔ کما صرحوا بہ اسی طرح آپ نے باتفاق علماء بہت سے صحابہ کرامؓ کے زمانہ کو پایا ہے۔ مثلاً: حضرت سہل بن سعدؓ المتوفی ۸۸ھ، السائبؓ بن الخلاد السویدؓ المتوفی ۹۱ھ، السائبؓ بن یزید بن سعد المتوفی ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۳ھ، عبداللہؓ بن لبرہ المتوفی ۹۶ھ، ابو الطفیلؓ عامر بن واثلۃ المتوفی ۱۰۲ھ وغیرہم ــــ البتہ اس امر میں محدثین و فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا آپؒ نے صحابہ کرامؓ سے روایت کی ہے یا نہ؟ بعض جلیل القدر علماء جیسے شیخ الاسلام علامہ عینیؒ شارح بخاری شریف وغیرہ کے نزدیک آپ کی روایت و سماع بعض صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے اور یہی مصنف خیرات الحسانؒ

کے نزدیک راجح ہے۔ اور بہت سے علماء کرامؒ اور محققین عظامؒ کے نزدیک آپ کا سماع و روایت صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں، اکثریت اسی رائے کی طرف مائل ہے۔

بہرحال صحابہ کرامؓ سے آپؒ کی روایت و سماع محقق ہو یا نہ، اس بات پر تمام موافق و مخالف اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ آپؒ تابعی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیت مقدسہ کی بشارت و خوشخبری میں داخل ہیں:

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

زہے شرف و سعادت

امام ابو حنیفہؓ کا آبائی پیشہ

آپ کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ اوائل عمر میں آپ بھی تجارت کرتے تھے۔ ایک دن امام شعبیؒ سے آپ کی باتیں ہوئیں جو امام شعبیؒ کو بہت پسند آئیں اور اس کے علاوہ آپ کے جبینِ مبارک سے رُشد و ہدایت اور فقاہت و درایت کے آثار نمایاں دیکھے

توحضرت ابو حنیفہ رضؓ کو تعلیم حاصل کرنے کی تاکید کی۔ آپ نے حضرت امام شعبیؒ کی مشفقانہ نصیحت پر فوراً عمل کیا اور علم پڑھنا شروع کیا۔ ابتداء میں آپ علمِ کلام کی طرف متوجہ ہوئے، لیکن جلد ہی علمِ کلام سے کنارہ کش ہو کر علم فقہ و حدیث کی طرف مائل ہوئے۔ چونکہ آپ کی ولادت سے پہلے شہر کوفہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی فرودگاہ اور علوم اسلامیہ کا مرکز بن چکا تھا۔ اس لئے کوفہ میں بڑے بڑے محدثین اور فقہائے اسلام موجود تھے اور ان کے حلقہ ہائے درس بہت مشہور اور وسیع تھے۔ اور اُن میں سے امام حماد بن ابی سلیمانؒ کا حلقۂ درس زیادہ وسیع اور شہرۂ آفاق تھا۔ امام ابو حنیفہ رضؓ اس حلقۂ درس میں مدّتِ مدید تک سیرابی حاصل کرتے رہے۔ امام حمادؒ کی وفات کے بعد اُنکی جگہ اُن کا صاحبزادہ بٹھایا گیا۔ لیکن جب اہلِ علم نے اُن کو اپنے مقصد میں ناکافی پایا تو باتفاق اُن کی جگہ حضرت امام ابو حنیفہ رضؓ بٹھائے گئے۔

امام ابو حنیفہ رضؓ کے اساتذۂ کرام پر اجمالی نظر

آپؒ کے اساتذہ کرام یوں تو بے شمار ہیں۔ حضرت امام حفصؒ

کبیرؒ فرماتے ہیں کہ صرف تابعین کرام سے آپؒ کے اساتذہ چار ہزار ہیں۔ تابعین کے علاوہ علیم بذات الصّدور ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم آپ کے اساتذہ کرام سے چند حضرات کے اسماءِ گرامی ذیل میں پیش کرتے ہیں:

نافعؒ مولیٰ ابن عمرؓ، موسیٰؒ ابن ابی عایشہ، حمادؒ بن ابی سلیمان، ابن شہابؒ الزہری، عکرمہ بن عباسؓ، عبداللہ بن دینارؒ، عبدالرحمان بن ہرمز الاعرجؒ، ابراہیمؒ بن محمّد المنتشر، جبلۃ بن سحیمؒ، القاسم المسعودی عون بن عبداللہؓ، علقمہ بن مرشد، علی بن اقمر، عطار بن ابی رباحؓ، قابوسؒ بن ابی ظبیان، خالدؒ بن علقمہ، سعیدؒ بن مسروق الشوریؒ، سلمہؒ ابن کہیل، سماکؒ بن حرب، شدادؒ بن عبدالرحمانؓ، ربیع بن عبدالرحمٰنؓ، ابوجعفر محمد الباقرؓ، اسماعیل بن عبدالملک، الحارث بن عبدالرحمٰنؓ، حسن بن عبداللہ، حکم بن عتیبہ، عبدالکریمؒ بن ابی امیّہ، طریف بن عثمانؒ السعدی عامر السبیعی عطاء بن السّائب، محاربؒ بن دثار، محمدؒ بن السّائب، معنؒ بن عبدالرحمان منصورؒ بن المعتمر، ہشامؒ بن عروہ، یحییٰ بن سعید، ابوزبیر المکّی وغیرہم

(مقدمہ انوار المحمود شرح ابی داؤد: محدّث نجیب آبادیؒ)

مذکورہ بالا مشائخ کرام میں بہت سے ایسے حضرات بھی ہیں جن کو تا حضرت سیّدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک ہی واسطہ ہے

اور پھر بفضلہٖ تعالیٰ خیر القرون میں داخل ہیں۔ پھر جب معاذ اللہ ایسے بلند پایہ امام کی اتباع اور اُن کی تحقیق پر کاربند ہونا بقولِ بعض حضرات بدعت اور گمراہی ہے، تو ان کہنے والے حضرات کے اقوال و اعمال کی کیا حقیقت ہے اور ایسے اصحابِ قال کے عقیدت مندوں کے شعور ظاہری و باطنی کی حقیقت اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے جبطرح آں جناب کے شیوخ بکثرت ہیں۔ اسی طرح آپ کے شاگرد بھی بکثرت ہیں، اور یہی آپ کے شاگرد بعد میں جلیل القدر اصحابِ تصنیف، محدّثین کرام کے اساتذہ اور شیوخ قرار پائے۔ چند شاگردوں کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں:

سلطان المحدثین حضرت عبداللہ بن المبارکؒ، الامام اللیثؒ ابن سعدؒ، الامام المالکؒ، امام مسعرؒ بن کدام، امام زفرؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمد بن حسن الشیبانیؒ، امام عبدالرزاقؒ، ابو معشر البلخیؒ، رئیس الطائفۃ الصوفیہ داؤد الطائیؒ، وکیع بن الجراحؒ ذکریا بن ابی زائدہ، اسد بن عمرؒ وغیرہم۔

بعض حضرات نے حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام اللیثؒ بن سعد کو آپ کے اساتذہ میں قرار دیا۔ بعض حضرات نے اس طرح تطبیق دی کہ جس طرح امام مالکؒ اور امام اللیث بن سعد نے آپ سے حصول علم کیا اسی طرح امام ابو حنیفہؓ نے بھی ان دو حضرات

سے استفادہ علم کیا۔ یہی ٹھیک ہے۔ کما فی خیرات الحسان

منصف مزاج اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ احکام و قضایا، حوادث و نوازل، مسائل مستنبط اور احادیث مشتبہ کی تفسیر و توضیح سے جو فائدہ امت مرحومہ کو حضرت الامامؒ کے شاگردوں سے پہنچا ہے وہ کسی دوسرے مجتہد کے شاگردوں سے نہیں پہنچا۔ اندازہ تو کیجئے کہ یہ شاگرد کیسے تھے: کہ ابو یوسفؒ کو چالیس ہزار موضوع حدیثیں یاد تھیں۔ احادیث صحیحہ کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔ اسی طرح امام محمدؒ عظیم الشان محدث لغوی، فقیہ اور مصنف تھے۔ بقول بعض علماء آپ کی تصنیفات نو سو سے زائد ہیں۔

اب تک ہم نے حضرت امام ابو حنیفہؓ کی ایک ہی خصوصیت عرض کی کہ آپ اولوالعزم تابعین میں سے ہیں۔ اسی کے ضمن میں آپ کے شیوخ و شاگردوں کو ہم نے اجمالاً پیش کیا۔ اس بیان سے حضرت امام صاحبؒ کا اجمالی تعارف ہو چکا ہے کہ آپ کس قدر بلند پایہ کے تھے۔ بعض دوستوں کے افکار و خیالات سامنے رکھ کر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ذمہ دار حضرات مجتہدین اور ائمہ اہل سنت و جماعت کے وہ عندیات و خیالات اس مقام پر پیش کریں گے جو انہوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ

کے حق میں پیش کئے ہیں، تاکہ معزز قارئین کرام خود مناسب نتیجہ پر پہنچیں گے۔ اس بارے میں ہم عام طور وہ اقوال تحریر کریں جو حضرات مجتہدین و علماءِ شوافع، موالک و حنابلہ نے اپنی کتابوں میں رقم کئے ہیں: اَلفَضلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الأَعدَاءُ
ملاحظہ ہو خیرات الحسان، مولفہ مفتی الحجاز الشیخ شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمی المکی المتوفی ۹۳ھ۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔ اَلنَّاسُ فِی الفِقهِ عِیَالٌ عَلٰی اَبِی حَنِیفَةَ، یعنی: "لوگ علم فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے تابع اور عیال ہیں۔"

دوسری روایت میں آپؒ فرماتے ہیں:۔ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَعرِفَ الفِقهَ فَلیَلزَمْ اَبَا حَنِیفَةَ وَ اَصحَابَهُ، یعنی:۔ "جو شخص اسلامی قانون سمجھنا چاہے وہ امام ابو حنیفہؓ اور ان کے شاگردوں کے ساتھ وابستہ رہے۔" اور ایک اور روایت میں موصوف فرماتے ہیں: کہ میں نے امام مالکؒ سے دریافت کیا، کہ آپ نے ابو حنیفہؒ کو دیکھا ہے؟ امام مالکؒ نے جواب میں فرمایا:۔
نَعَمْ رَأَیتُ رَجُلًا لَو کَلَّمَکَ فِی هٰذِهِ السَّارِیَةِ اَنْ یَجعَلَهَا ذَهَبًا لَقَامَ بِحُجَّتِهِ۔ "ہاں میں نے امام ابو حنیفہ کو دیکھا وہ اس درجہ کے ذہین اور تیز فہم تھے کہ اگر بالفرض

وہ اس ستون کو سونا بناتے تو اسے دلیل و بُرہان سے سونا ہی ثابت کرتے۔"

حضرت امام شافعیؒ بغداد میں تشریف لائے۔ امام ابو حنیفہؒ کی قبرِ مبارک کی زیارت کے قریب اس کی مسجد تھی جس میں امام شافعیؒ نے صبح کی نماز پڑھی اور خلافِ معمول صبح نماز میں دُعائے قنوت ترک کی، نماز کے بعد بعض حاضرینِ مجلس نے امام شافعیؒ صاحب سے دریافت کیا: فَعَلْتَ شَيْئًا لَمْ تَكُنْ تَفْعَلُهُ، "کہ آپ نے خلافِ عادت دُعائے قنوت چھوڑ دی۔" آپ نے فرمایا: اَدَبًا مع هٰذا الامام اَنْ اُظْهِرَ خِلَافَهٗ بحضرته یعنی "میں نے صبح نماز میں اس امام کے ادب و احترام میں دُعائے قنوت نہیں پڑھی۔" دوسری روایت میں یوں آیا ہے:۔ اِسْتَحْيَيْتُ مِنْ هٰذَا الْجَنَاب، "کہ مجھے آنجنابؒ کی حیا دامنگیر ہوئی۔" — یہ امام ابو حنیفہؓ کا مرتبہ اور یہ حضرت امام شافعیؓ کی رواداری اور خلوص تھا۔

وقت کے حضرات نقّادین امام شافعیؒ سے نصیحت و عبرت حاصل کریں۔ یا اللہ! یہی محبت و مودّت وقت کے اہلِ علم کے دل میں ڈال دے اور ان کو توفیق دے کہ وہ تمام علماء کی عزت کریں، تاکہ دینِ قیّم تشتّت اور افتراق سے محفوظ رہے۔

امام اسد بن حکیمؒ فرماتے ہیں: لَا یَقَعُ فِیْہِ اِلَّا جَاھِلٌ اَوْ مُبْتَدِعٌ۔ یعنے کہ "نادان و بدعتی کے سوا امام ابو حنیفہؒ کی کوئی شخص بُرائی اور بے ادبی نہیں کرسکتا۔"

اصحابِ ظاہر میں سے مشہور محدّث حضرت داؤد ظاہریؒ آپؒ کے بارے میں فرماتے ہیں: ۔ ذٰلِکَ نَجْمٌ یُھْتَدٰی بِہِ السَّارِیْ یعنے: "امام ابو حنیفہؓ آسمان کا درخشندہ تارا ہے۔ آپ کے علم سے شب رَو ہدایت و درایت کا راستہ پالیتا ہے۔"

مشہور محدّث حضرت خلف بن ایوبؒ فرماتے ہیں:

صَارَ الْعِلْمُ مِنَ اللّٰہِ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اِلٰی اَصْحَابِہٖ ثُمَّ مِنْھُمْ اِلَی التَّابِعِیْنَ ثُمَّ صَارَ اِلٰی اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَصْحَابِہٖ فَمَنْ شَاءَ فَلْیَرْضَ وَ مَنْ شَاءَ فَلْیَسْخَطْ۔ یعنے: "خدائے برتر کی طرف سے رشد و ہدایت کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم پر آیا پھر آپؐ سے حضرات صحابہؓ کی طرف منتقل ہو کر تابعین کی طرف اور تابعین سے ابو حنیفہؓ اور آپ کے شاگردوں کی طرف سمٹ کر آیا۔ جس کا جی چاہے سو وہ خوش ہو اور جو بگڑنا چاہے تو اُسے بگڑنے دو۔"

مشہور محدّث اور فنِ تنقید کے امام حضرت حافظ ابو عمرؒ

یوسف بن عبدالعبرہ رضؓ آپ کے متعلق فرماتے تھے:

اھلُ الفقہِ لایلتفتونَ الیٰ ان طعنَ علیہِ
وَلا یُصدّقون بشیئٍ مِنَ السُّوءِ یُنسبُ الیہِ"

"فقہاءِ اسلام (اسلامی قانون جاننے والے) ان لوگوں کو ناقابلِ التفات قرار دیتے ہیں کہ جو امام ابو حنیفہ رضؓ پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں اور نہ اُن بے ادبانہ باتوں کی تصدیق ہی کرتے ہیں جو آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔

قاضی شریکؒ حضرت ابو حنیفہ رضؓ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

کان طویلَ الصّمت کثیر التّفکر دقیق النّظر فی
الفقہ لطیف الاستخراج فی العلم والعمل۔"

یعنی: "آپ (امام صاحبؒ) کلام بہت کم فرماتے، اور بہت زیادہ سوچنے والے، مسائل دین، علمِ فقہ اور کلّیات سے جزئیات استنباط و استخراج کرنے میں حاذق اور ماہر تھے۔"

ایک دن خلیفۂ اسلام منصور کے دربار میں حاضر ہوئے اس وقت منصور کے پاس عیسیٰ بن موسیٰ تھے۔ انہوں نے منصور سے کہا: "یا امیرُالمؤمنین ھٰذا عالِمُ الدُّنیا"

یعنی: "اے امیرالمومنین! یہ دُنیا کا عالم ہے، یعنی دُنیا میں جو علیحدہ علیحدہ علم موجود ہیں تنہا ابو حنیفہ رضؓ اس کا حامِل ہے

اس پر منصور نے آپ سے دریافت کیا: "عَمَّنْ اَخَذْتَ الْعِلْمَ" آپ نے کس سے علم حاصل کیا؟" ابو حنیفہؒ نے فرمایا:
"عن اصحاب عمرؓ عن عمر و عن اصحاب علیؓ عن علی و عن اصحاب ابنِ مسعودؓ عن ابنِ مسعود۔" یعنی "میں نے حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شاگردوں سے حصول علم کیا۔" مطلب یہ ہے کہ ان صحابۂ کرامؓ کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو علم حاصل ہوا تھا وہ میں نے پورا ان کے شاگردوں سے حاصل کیا۔ منصور نے کہا: "لقد استوثقت" تب تو آپ قابلِ اعتماد ہیں۔"

کمترین کہتا ہے کہ اسی علم کی بناء پر ہم کو حضرت ابو حنیفہؒ کی محبت ہے کہ وہ دینِ اسلام کے بہت بڑے عالم ہیں۔ اُن کی محبت فی الحقیقت میں اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے۔ (فلا ورود)

سلطان المحدثین حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کے سامنے آپ کا تذکرہ کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: کہ اے حضرت! کیا آپ اس شخص کا ذکر کرتے ہیں جس پر پوری دُنیا پیش کی گئی، مگر اس نے خدا کے لئے اُس پر لات مار دی۔

قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ آپ کے متعلق فرماتے ہیں:

"مَا رَأیتُ أعلمَ بتفسیرِ الحدیث من ابی حنیفۃ و کانَ البصرَ بالحدیثِ الصّحیحِ مِنّی۔" کہ میں نے حدیث کی تفسیر و توضیح میں حضرت ابو حنیفہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔" اور مزید فرماتے ہیں: "کہ وہ (حضرت ابو حنیفہ) حدیث صحیح کے سمجھنے میں مجھ سے زیادہ ماہر تھے۔ (امام ابو یوسفؒ کا مرتبہ حدیث و فقہ میں تمام اہلِ علم جانتے ہیں)

یحییٰ بن معینؒ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"فقہاء کل چار ہیں۔ (۱) ابو حنیفہؒ (۲) سفیان ثوریؒ (۳) امام مالکؒ، (۴) امام اوزاعیؒ۔ اور فرماتے ہیں: کہ قرآنِ مجید کی مختلف قرأتوں میں سے مجھے حمزہ کی قرأت پسند ہے۔ اور فقہاء میں سے امام ابو حنیفہؒ کا فقہ۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں: "کان واللّٰہ حسن الفھم جیّد الحفظ حتّٰی شنعوا علیہ بما ھوا علم بہ منھم سیلقون عِندَ اللّٰہ۔" یعنی: واللہ امام ابو حنیفہؒ تیز فہم اور زیرک تھے اور آپ کی قوّتِ حافظہ نہایت اچھی اور قوی تھی۔ لوگوں نے خواہ مخواہ اُن پر طعن کیا، ایسے مسائل کو جن میں وہ طعن کرنے والوں سے زیادہ واقف اور باخبر تھے وہ عنقریب

عند اللہ جواب دہ ہوں گے۔"

امام مزنی رح شافعی المسلک تھے اور خود بڑے محدّث اور فقیہہ تھے۔ بایں ہمہ رات دن امام ابو حنیفہ رح کے شاگردوں کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ جب اُن کے بھانجے حضرت امام طحاوی رح نے یہ دیکھا تو آپ نے شافعی مذہب چھوڑ کر حضرت امام ابو حنیفہ رض کی پیروی اختیار کی اور فرمایا: کہ جب امام کی علمی قابلیّت اس درجہ کی ہے کہ بڑے بڑے محدّث اُن کے شاگردوں کی کتابیں مطالعہ کرتے ہیں تو پھر یہی مناسب ہے کہ براہِ راست آپ کی اتباع کی جائے۔ امام طحاوی رح کا مرتبہ علمُ الحدیث میں ظاہر ہے۔ حدیث میں ان کی کتاب "شرح معانی الآثار" افادیت میں اپنی نظیر آپ ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رح آپ کے متعلق فرماتے ہیں:

"اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْوَرَعِ وَالزُّهْدِ وَاِيْثَارِ الْاٰخِرَةِ بِمَحَلٍّ لَا يُدْرِكُهٗ اَحَدٌ وَلَقَدْ ضُرِبَ لِيَلِيَ الْقَضَاءَ لِلْمَنْصُوْرِ فَلَمْ يَفْعَلْ فَرَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَرِضْوَانُهٗ۔"

ترجمہ: "امام ابو حنیفہ رح پرہیزگاروں اور دین و آخرت کو دُنیا پر ترجیح دینے والوں میں سے تھے، اور زہد و پرہیزگاری میں اس درجہ کے تھے کہ کوئی کبھی ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا اور اُن کو

منصور عباسی کی طرف سے قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا مگر انہوں نے وہ قبول نہیں کیا، بلکہ اُس کے قبول نہ کرنے کے لئے کوڑے بھی کھائے پھر بھی انہوں نے عہدۂ قضاء قبول نہیں کیا۔ آپ پر اللہ کی بے شمار رحمتیں اور اس کی رضامندی ہو۔"

یہ ہم نے "مُشتے از خروارے" کے طور پر چند ذمہ دار اہلِ علم اور پیشوایانِ مذاہب کے خیالات حضرت امام صاحبؓ سے متعلق نقل کئے۔ مُنصف مزاج ان اقوالِ مبارکہ سے بہت کچھ سمجھ سکتا ہے۔ متعصّب کے لئے آیاتِ قرآنیہ بھی موجبِ ہدایت نہیں ہوتیں۔ ہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ اُن غیر احناف علماء و پیشوایان اسلام کے خیالات ہیں کہ جن کی روایات و فتاویٰ سے حدیث اور فقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور احکامِ دین کا کافی حصّہ ان پر موقوف ہے اور پھر وہ قُربِ زمانہ کی وجہ سے ہم سے زیادہ حضرت امام ابو حنیفہؓ کو جانتے تھے اور یہ بزرگوار ایسے ہیں کہ تمام اسلامی فریق اُن کو تسلیم کرتے ہیں اور پھر ان تمام اقوال سے بڑھ کر حضرت امام صاحب کی عظمت بخاری شریف کی اس حدیث شریف سے آشکارا ہوتی ہے کہ آنجناب حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مبشّر ہیں اور آپ کے علم و فضل کی بشارت اور خوشخبری خود صاحب

وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے۔ یہ میرا دعویٰ نہیں بلکہ حضرت امام جلال الدین سیوطی شافعی رح نے تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ رح میں اسی خیال کا اظہار فرمایا اور حدیث بخاری شریف: "لوکان العلمُ عندَ الثُّریّا لتناولہٗ رجالٌ من ابناءِ فارس" (یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مسلم، طبرانی میں بھی ہے) سے استدلال کیا اور بعد کے عالموں نے امام سیوطی رح سے اتفاق کیا۔ اللّٰھُمَّ الّا شرذمۃٌ قلیلۃٌ۔ یہ استدلال اس وجہ سے درست ہے کہ عجم میں تبحُّر فقہ اور دقّتِ اجتہاد میں اب تک امام ابوحنیفہ رح جیسا کوئی پیدا نہیں ہوا ہاں یہ ضرور ہے کہ عجم کے اندر بڑے بڑے محدثین مثل حضرت امام بخاری رح وامام مسلم رح وامام ترمذی رح وغیرہم پیدا ہوئے۔ مگر ابوحنیفہ کی شان کچھ اور ہی ہے۔ اس لئے حدیث بخاری کی مصداق امام ابوحنیفہ رح ہی معلوم ہوتے ہیں۔ والعلمُ الاتمُّ عند اللہ کسی کی تنقیص معاذ اللہ مقصود نہیں۔ یہ سب محدثین آسمانِ علم کے درخشندہ ستارے ہیں، ان کا درجہ بلند ہے اور ہم مسلمانوں پر ان کا بڑا احسان ہے، فرحمھم اللہ

اسی طرح امام ابوحنیفہ رح کی وفات کی پیشنگوئی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

"ترفع زینۃ الدنیا سنۃ خمسین ومأۃ" دُنیا کی زینت علم ۱۵۰ھ میں اُٹھ جائے گی۔" یہی اتفاقاً امام ابوحنیفہؒ کا سالِ وفات ہے۔ اس حدیث کو حافظ ابن حجر ہیتمیؒ نے خیرات الحسان میں صحیح قرار دیا ہے۔ ہر دو کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیجئے۔

اس گلدستۂ مدح میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اہم اعتراضات کا جواب بھی دیا جائے تاکہ معزز قارئین کرام کو صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی دقّت پیدا نہ ہو جائے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "غنیۃ الطالبین" میں حضرت شیخ سید عبدالقادر الجیلانیؓ نے امام ابو حنیفہؓ کو مرجئین میں لکھا ہے۔ چنانچہ غنیۃ الطالبین کی عبارت یہ ہے:

"ومنھم ابو حنیفۃ علی ما قال البرھوقی۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہے یعنی، کسی متعصّب شخص نے یہ عبارت غنیۃ الطالبین میں بڑھا دی ہے اور کتاب اسی طرح چھاپ دی، اس پر یہ قرینہ ہے کہ حضرت شیخؓ عیدالاضحیٰ کے مسائل میں مختلف مذاہب تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:" وقال الامام الاعظم ابوحنیفۃ رضی اللّٰہ عنہ" اسی طرح چند اوراق کے بعد اسی کتاب میں امام ابو

حنیفہ رضؓ کے شاگردوں کا مسلک تحریر فرماتے ہیں اور ان کا نام نہایت ادب واحترام سے لیتے ہیں۔ جیساکہ اس قسم کے ولی اللہ سے توقع ہے۔

تو معلوم ہوا کہ شروع کی عبارت اصلی نہیں بلکہ الحاقی ہے اس میں مبالغہ نہیں۔ بہت سی کتابوں میں الحاقی عبارتیں پائی جاتی ہیں

دوسرا جواب :۔ یہ ہے کہ اس سے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ مراد نہیں ہیں بلکہ اس سے ابو حنیفۃ القاضی النعمان مراد ہے جو بہت بڑا مصنّف اور علامّہ گزرا ہے۔ ہم مندرجہ ذیل الفاظ میں ان کا مختصر تعارف کراتے ہیں :

(اقول) ھو ابو حنیفۃ القاضی النعمان بن ابی عبد اللہ بن محمد بن احمد بن خیون المغربی التمیمی منفاش فی المنصف الاول من القرن الرابع الھجری وتوفیّ سنۃ ٦٣ فی القاھرۃ بعھد خلافۃ الامام الفاطمی المعز لدین اللہ۔"

یہ فرقہ اسماعیلیہ کے تین مشہور داعیوں میں سے ایک ہے اس کے اعتقاد سے قطع نظر یہ بہت بڑا علامّہ اور بلند پایہ مصنّف ہے۔ چنانچہ اس نے ہر علم اور ہر فن میں بے شمار کتابیں لکھی ہیں جیساکہ علم فقہ میں الایضاح، مختصر الایضاح۔ کتاب

الاخبار۔ الینبوع ۔ الاقتصاد۔ الاتفاق والافتراق۔ الکتاب المقتصر ۔ دعائم الاسلام۔

اور علم مناظرہ میں الرسالۃ ۔ المصریۃ۔ فی الرد علی الشافعی ۔ اختلاف اہل المذاہب ۔ دامع المرجز فی الرد علی العتکی الفنکی ۔ اور تاویل میں نہج السبیل الی معرفۃ علم التاویل ۔ تاویل الدعایم ۔ اور عقائد میں القصیدۃ المختارۃ ۔ کتاب التعاقب والانتقاد ۔ کتاب الدعاء ۔ کتاب الھمۃ فی آداب اتباع الائمۃ ۔ کتاب الحلی والثواب۔ اور علم الاخبار میں : شارح الاخبار قصیدۃ ذات المنن۔ اور وعظ میں : معالم الھدیٰ الرسالۃ الی المرشد۔ الداعی بمصر تربیۃ المومنین۔ اور علم رؤیا میں : تاویل الرؤیا، منامات الائمۃ ۔ اور بھی بہت سی کتابیں اس نے تصنیف کی ہیں۔ چونکہ باوجود بہت بڑے عالم ہونے کے اس کے عام اعتقادات جمہور علماء اور اہل السنۃ والجماعت کے بر خلاف تھے۔ اس لئے مصنف غنیۃ الطالبین حضرت شیخ سید عبد القادر الجیلانی رحؒ نے اس کی تردید کرتے ہوئے اس کو فرقہ مرجیہ میں قرار دیا جو اہل سنت والجماعۃ میں داخل نہیں۔ چونکہ بدقسمتی سے وہ حضرت امام ابو حنیفہ رضؓ کا ہم نام اور ہم کنیت تھا اس لئے موقع پرست

دوستوں نے دانستہ یا نادانستہ یہ مشہور کیا کہ حضرت پیر صاحبؒ نے امام ابوحنیفہؓ کی مخالفت کی اور ان کو فرقہ مرجئیہ میں قرار دیا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

حضرت پیرؒ نے غنیۃ الطالبین میں حضرت امام صاحب کا نام الامام الاعظم کہہ کر لیا ہے۔ دیکھو احکام الضحیٰ غنیۃ الطالبین واللہ اعلم بالصواب۔

اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالیؒ نے بھی اپنی بعض تصنیفات میں حضرت امام ابوحنیفہؓ پر سخت جرح و قدح اور نکتہ چینی کی ہے۔ صاحب خیرات الحسان نے اس کا تحقیقی جواب یہ دیا ہے: کہ جس محمد غزالی نے اس قسم کی ردّ و قدح اور خلافِ تحقیق باتیں امام ابوحنیفہؓ کے متعلق کی ہیں وہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک اہل سنت والجماعۃ کا دشمن معتزلی شخص کا نام ہے جو امام محمد غزالیؒ کا ہم نام تھا، جیسا کہ اس کی کتاب کے حاشیہ پر اس کی تصریح کی گئی ہے۔ معاذاللہ، حضرت حجۃ الاسلام امام غزالیؒ عارف باللہ اور محقق تھے کیا وہ امام اعظم کی شان میں گستاخی کر سکتے ہیں؟ حاشا و کلا۔ بلکہ حضرت امام غزالیؒ نے اپنی مشہور و معروف کتاب "احیاء العلوم" میں امام ابوحنیفہؓ کی بڑی تعریف و توصیف کی

اور آپ کو مخصوص علمائے آخرت میں قرار دیا ہے۔ دیکھو کتاب احیاء العلوم صفحہ ۳۰ جلد اوّل، مطبوعہ مصر۔

مختصر عرض یہ ہے کہ اُمت مرحومہ میں سے کسی معتبر شخص نے عمداً و قصداً حضرت امام ابو حنیفہؒ پر نکتہ چینی اور عیب جوئی نہیں کی، بلکہ تمام ذمہ دار فقہاء و محدثین نے آپ کو امام اعظم اور فقیہہ معظم قرار دیا ہے۔

البتہ بعض محدثین کرامؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؓ کے چند اجتہادی مسائل پر سختی کے ساتھ اعتراض کیا ہے۔ یہ اعتراض کرنے والے حضرات دو قسم کے لوگ ہیں:۔

(۱)۔ وہ لوگ جو امام اعظمؓ کے ہم عصر اور ہم زمانہ تھے۔ ان لوگوں نے امام صاحب کی زبردست مقبولیت دیکھ کر بشری اقتضاء سے معاصرانہ رویہ اختیار کر کے آپ پر جرح و قدح کی اور آپ کے بعض مجتہدانہ نکتوں کی تہہ تک پہنچے بغیر آپ پر بے جا نکتہ چینی کی۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر کسی محدث یا فقیہہ پر اس کے ہم زمانہ لوگ نکتہ چینی اور عیب جوئی کریں گے تو وہ اس محدث اور فقیہہ کے حق میں غیر معتبر اور ناقابل التفات ہے، کیونکہ اگر ایسی نکتہ چینی کو قابلِ اعتبار قرار دیا جائے تو کسی کی پگڑی برقرار نہیں رہ سکتی اس لئے اُمت مرحومہ میں کوئی ایسا فقیہہ یا محدث نہیں ملے گا جس

کڑی نکتہ چینی اور جرح وقدح نہ کی گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے لکھا کہ حضرت امام سفیان ثوریؒ کی جرح وقدح حضرت امام ابو حنیفہؓ پر۔ امام محدث ابن ابی ذیبؒ کی تردید حضرت امام مالکؓ پر۔ امام ابن معینؒ کی ردّ وقدح حضرت امام شافعیؒ پر۔ امام مسلمؒ کی نکتہ چینی حضرت امام بخاریؒ پر۔ امام نسائیؒ کی تنقید حضرت امام احمد بن صالحؒ پر، اس قابل ہی نہیں کہ پڑھنے والے اس کی طرف کوئی توجّہ دیں اور ان کی باہمی اس چپقلش سے ان کی عظمت وجلال پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ یہ سب حضرات علوم دینیہ کے پہاڑ تھے۔ ہمیں چاہیئے کہ ان سب کی عظمت وبرتری کا کھلے دل سے اقرار کریں ورنہ اُمّت پریشان ہو گی۔ آخر ہمیں ان کا بشری اور فطری تقاضا مدنظر رکھنا چاہیئے کیونکہ اگر ایک جماعت ایک عالِم کو تسلیم کرے گی اور دوسری جماعت اس کی تردید کرے گی تو اس سے دین کا بیڑا غرق ہو جائیگا۔

اس اعتبار سے حضرت امام ابو حنیفہؓ پر جرح کرنے والوں کی جرح اگرچہ مفصّل ہی کیوں نہ ہو، وہ امام صاحب کے حق میں ناقابلِ توجّہ ہے۔ اس سے اس آفتابِ عالم کا کچھ نہیں بگڑتا۔ یہ میرا ہی جواب نہیں بلکہ تمام انصاف پسند محدّثینؒ کا جواب ہے۔ چنانچہ مفتی حجاز علامہ ابن حجر شافعیؒ خیرات الحسان میں فرماتے

ہیں۔ (اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے)

ولاسیما اذا لاح انہ
بعداوۃ او لمذہب اذا
الحسد لا ینجو منہ الا من
عصمہ اللہ تعالی قال الذہبی
وما علمت عصرا سلم اھلہ
الا عصر النبیین وقال تاج
السبکی ینبغی لک ان تسلک
ایھا المسترشد سبیل الادب
مع الائمۃ الماضیین و
ان لا تنظر الی کلام بعضھم
فی بعض الا اذا اتی ببرھان
واضح ثم ان قدرت علی
التاویل وتحسین الظن فدونک
والا فاضرب صفحا عما جری
بینھم فانک لم تخلق لھذا
فاشتغل بما یعنیک ودع
بما لا یعنیک ولا یزال طالب

اور خاص کر جب کہ ظاہر ہو جائے
کہ یہ اختلاف کسی عداوت یا کسی مسلک
کی بنا پر ہے تو اس وقت اور بھی
احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ حسد سے وہی
لوگ محفوظ رہ سکتے ہیں جنکو اللہ تعالیٰ
بچالے۔ حافظ ذہبیؒ نے کہا کہ مجھے انبیاء
کے زمانہ کے بغیر کسی عصر اور زمانہ کا
علم نہیں کہ جس میں وہ معاصرین وقت
باہمی رقابت سے بچے ہوں۔ امام تاج
الدین السبکیؒ الشافعی فرماتے ہیں: کہ اے
طالب علم! پیشوایان دین اور سلف صالحین
کے ساتھ ادب احترام سے پیش آؤ اور
انکی باہمی اختلافی باتوں میں نہ پڑ۔
ہاں اگر کوئی روشن دلیل تمہارے پاس
پہنچ جائے تو پھر بھی جہاں تک تم سے ہو
سکے تو سلف کی باتوں کو اچھی تعبیر کے
ان سے حسن گمان رکھنا اور انکی اختلافی

العلم نبيلاً حتّٰى يخوض فيما
جرٰى بين السّلف الماضيين
واجرٰى بعضهم على البعض
فاياك ثم اياك ان
تصغ الى ما اتفق بين
ابى حنيفة وسفيان الثورى
او بين مالك وابن ابى
ذيب او بين احمد بن صالح
والنسائى والحارث بن اسد
المحاسنى وهلم جرًا۔
فانك اذا اشتغلت
بذالك خشيت عليك
الهلاك فالقوم ائمة
اعلام ولاقوالهم
محامل وربما لم تفهم
بعضها فليس لنا الا
التراضى عنهم والسكوت
عما جرٰى بينهم كما

باتوں میں ہرگز دخل نہ دینا کیونکہ
تو انکے اختلاف میں دخل دینے کیلئے
نہیں پیدا کیا گیا۔ لہٰذا کار آمد چیزوں
میں مشغول ہو جاؤ، اور غیر ضروری
باتوں سے دور ہو جاؤ، طالب علم اسوقت
تک محترم و مکرم رہے گا جب تک سلف صالحین
کی اختلافی باتوں میں دخل انداز ہوگا
اور اے طالب علم! اچھی طرح سمجھ تم ہرگز ان
اختلافات کی طرف کان نہ لگانا جو امام ابو حنیفہؒ
اور سفیان بن ثوریؒ، امام مالکؒ اور ابن ابی ذیبؒ
احمد بن صالحؒ اور امام نسائیؒ، حارث بن اسدؒ
محاسنی وغیرہم کے درمیان پیش آئے کیونکہ
اگر تو ان اختلافی قصوں میں پڑ جائے
مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم ہلاک نہ ہو جاؤ گے
کیونکہ یہ سب حضرات پیشوایانِ دین
ہیں اور انکی باتوں کے بہت سے معانی و
مطالب نکل سکتے ہیں تو تم انکی آسان
باتوں کو بسا اوقات سمجھتے نہیں ہو تو

تقول فیما جری بین الصحابۃ رضوان اللہ علیہم اجمعین"
(خیرات الحسان ص ۶۹ مصری)

مشکل باتوں کی بات ہی کیا؟ لہٰذا ہمارے لئے اچھا ہے کہ انکے باہمی اختلافات میں پڑے بغیر اُن سب کے ساتھ محبت ورضامندی کا ثبوت پیش کریں، جیسا کہ صحابۂ کرام رضؓ کے باہمی اختلافات کے بارے میں ہمارا یہی رویّہ ہے۔"

عبرت:۔ اللہ اکبر! ہمارے سلف صالحین، بزرگانِ دین کیسے اعلیٰ درجہ کے نیک دل تھے۔ حقیقت میں حق تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو ایمان کے نور سے منوّر کیا تھا، اور یقیناً اُن کے سینے بے کینہ تھے۔ وہ فروعات میں اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کی قدر ومنزلت کرتے تھے وہ خود بھی لائق تھے اور لائق لوگوں کا احترام کرتے تھے۔ وہ پیشوایانِ دین کی عیب جوئی اور ناجائز نکتہ چینی کرکے مسلمان بھائیوں کی دل آزاری نہیں کرتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے جو ترقی حاصل کی وہ سب حضرات پر عیاں اور ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن سب کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

بعض لوگ حضرت امام ابوحنیفہ رضؓ پر اپنی بے جا نکتہ چینی اور دل آزاری کے جواز پر محدثین کرام کے اختلاف کو سند اور دلیل

کے طور پر پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں جب محدثین کا اختلاف اور ان کی جرح و قدح حضرت امام ابو حنیفہؒ پر درست اور جائز ہے اور جبکہ وہ امام صاحبؒ اور آپ کے ہم مسلک اور ہم خیالوں کو اصحاب الرائے جیسے غیر محتاط لقب سے یاد کرتے ہیں تو ہماری نکتہ چینی ان کے حق میں ناجائز کیوں ہے ؟

اس سوال کا جواب دو طرح عرض کرتا ہوں :-

١ - آپ پہلے حضرات محدثین کی سی علمی قابلیت اور بلند پایہ دیانت پیدا کیجئے تب ایسے جلیل القدر مجتہد پر کڑی تنقید کیجئے۔ کسی مسلّم دینی پیشوا پر صرف اس لئے برسنا اور غلط رنگ میں نکتہ چینی کرنا اندھا دھند تقلید اور جہالت کی کھلی نشانی ہے۔ جس سے خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سخت ممانعت کی۔

٢ - اگر نکتہ چینی کرنے والے محدثین شافعی، مالکی یا حنبلی ہیں تو ہم ان کو ان کے پیش رفت اماموں اور پیشواؤں کے وہ مقدس اقوال و خیالات یاد دلائیں گے جو انہوں نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی کی شان میں پیش کئے، جن کے کچھ حوالے شروع میں ہم نے پیش کئے۔ باوجود اس کے اگر ان کی زبانیں احتیاط نہ کریں گی تو وہ اپنے ہی بزرگوں کے

طریقہ کے خلاف کریں گے۔ ہمارا کیا بگڑتا۔ اور اگر اعتراض کرنے والے حضرات محدثین اپنی علمی عظمت کی بنا پر کسی کے مقلد نہیں ہیں تو ہم ان اعتراض کرنے والے محدثین کو ان کے ہی شیوخ اور اساتذہ کا وہ خراجِ عقیدت دکھائیں گے جو انہوں نے حضرت امام صاحبؓ کے حق میں پیش کیا۔ جیسے امام اعمشؒ، امام عبداللہ المبارکؒ، امام سفیانؒ بن عیینہؒ، امام یحییٰؒ بن سعید بن القطانؒ، یزیدؒ بن ہارونؒ، وکیع بن جراحؒ، مسعرؒ بن کدامؒ وغیرہم۔

یہ سب حضرات علم حدیث کے ستون ہیں، ان کی مرویات صحاح ستہ میں بکثرت ہیں تو جب ان حضرات نے امام ابو حنیفہؓ کے علم پر اعتماد کیا پھر متاخرین محدثین کے لئے امام صاحبؓ پر نکتہ چینی کرنا کب جائز ہے؟ حقیقت میں انہوں نے آپ کی نکتہ چینی اور تنقیص نہیں کی۔ ہاں اختلاف ضرور کیا مگر اخلاقی دائرہ میں، وہ کب ممنوع ہے؟

رہا محدثین کرامؒ کا امام ابو حنیفہؓ اور آپ کی ہم جماعت کو اصحاب الرأی (رائے اور قیاس والے) کہنا اس سے ان کا مقصود امام صاحبؓ کی نکتہ چینی اور تنقیص کرنا نہیں بلکہ یہ حضرت امام ابو حنیفہؓ کے کمالِ علم اور ماہرِ قرآن و حدیث ہونے کی بڑی دلیل

ہے کیونکہ قیاس وہی شخص کرتا، اور کلیات سے جزئیات وہی شخص نکال سکتا ہے جس کو دینی علم میں پوری خداداد فوقیت ہو۔ اسی کے متعلق شیخ ابن حجر عینی خیرات الحسان ص ۲۶ میں فرماتے ہیں :۔

اعلم انہ یتعین علیک ان لا تفہم من اقوال العلماء عن ابی حنیفہ واصحابہ انہم اصحاب الرأی ان مرادہم ذالک تنقیصہم ولا نسبتہم الی انہم یقدمون رایہم علی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا علی اقوال اصحابہ لانہم براءٌ من ذالک ..... الخ

ترجمہ :۔ اے طالب علم ! یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رکھ کہ جو محدثین امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں کو قیاس والے کہتے ہیں اس سے اُن کی مراد امام ابو حنیفہؒ آپ کے شاگردوں اور ہم مسلکوں کی توہین اور تذلیل کرنا نہیں ہے، اور اس سے یہ کبھی نہ سمجھنا کہ حنفی عقل و قیاس کو کتاب اللہ یا سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اقوال پر مقدم کرتے ہیں۔ حنفی اس الزام سے بالکل بری اور پاک ہیں۔

اس الزام کے متعلق علامہ خضری مصری اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تاریخ فقہ اسلامی" میں مندرجہ ذیل الفاظ میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اہل الرائی پر اہل حدیث کا اعتراض یہ تھا کہ وہ اپنے قیاسات کی بناء پر بعض حدیثوں کو چھوڑ دیتے ہیں، لیکن یہ اُن پر اتّہام ہے۔ ہم کو اہل الرائی میں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جس نے اس حدیث پر جو اس کے نزدیک ثابت ہو گئی ہو' قیاس کو ترجیح دی ہو۔ البتہ بعض اہل الرائی ایسے تھے جن سے یا تو مسئلہ میں کسی حدیث کی روایت ہی نہیں کی گئی' یا روایت تو کی گئی لیکن انہوں نے اس کی سند پر اعتماد نہیں کیا اور اپنی رائے سے فتویٰ دیا۔ اس لئے بسا اوقات یہ فتویٰ اس حدیث کے مخالف ہوتا تھا جو اُن کو معلوم تو تھی' لیکن انہوں نے اس کی روایت پر اعتماد نہیں کیا تھا۔ یا ایک حدیث جو اُن کی نگاہ میں اس حدیث سے قوی تر تھی' اس کے مخالف تھی۔ مثلاً: حضرت سفیان عیینہؒ نے روایت کی ہے کہ امام ابو حنیفہؓ اور امام اوزاعیؒ مکّہ میں دار الحناطین میں ملے تو امام اوزاعیؒ نے امام ابو حنیفہؓ سے کہا کہ تم لوگ

رکوع میں جانے اور رکوع سے کھڑے ہونے کے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "اس لئے کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی ایسی حدیث ثابت نہیں کہ جس کی معارض موجود نہ ہو۔" انہوں نے کہا: "کیوں نہیں! حالانکہ مجھ سے زہری نے، زہری نے سالم سے اور سالم نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے، پھر جب رکوع میں جاتے تھے اور جب رکوع سے سر مقدس اٹھاتے تھے تو رفع یدین فرماتے تھے۔"

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "ہم سے حماد نے حماد سے ابراہیم نے، ابراہیم سے علقمہ اور اسود نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صرف نماز شروع فرمانے کے وقت دستِ مقدس اٹھاتے تھے۔ اس کے بعد رکوع وغیرہ میں دست مقدس نہیں اٹھاتے۔"

حضرت امام اوزاعی نے کہا: کہ میں زہری، سالم اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سند سے روایت کرتا ہوں

اور آپ حمادؒ اور ابراہیمؒ کا نام لیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے جواب دیا، کہ:۔ حماد، زہری اور ابراہیم، سالم سے زیادہ فقیہ ہیں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو اگرچہ صحبت یا فضلِ صحبت حاصل تھا تاہم علقمہؒ ان سے علم میں کم نہیں اور اسودؒ کو بھی بہت سی فضیلتیں حاصل ہیں اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ تو عبداللہ ابن مسعودؓ ہی ہیں۔ یہ سنکر امام اوزاعیؒ خاموش ہو گئے۔

علامہ مزید فرماتے ہیں:۔

بغیر اس کے کہ ہم اس گفتگو پر کچھ ردّ و قدح کریں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کے مقابل میں کیا دلیل رکھتا ہے اور نیز یہ کہ دونوں فریق جب قابلِ اعتماد روایت پا جاتے تھے تو حدیث کی حد سے آگے قدم نہیں بڑھاتے تھے

(دیکھو تاریخ فقہ اسلامی ص ۲۱۱)

اسی کتاب میں ص ۲۸۳ پر لکھتے ہیں:۔

"اگرچہ حضرت امام ابو حنیفہؓ اور ان کے اصحاب نے سب سے پہلے قیاس کو ایک شرعی اصول تسلیم کیا اور یہی وجہ ہے کہ صرف ان ہی لوگوں نے اصحاب الرّائی کے لقب سے شہرت حاصل کی۔ تاہم اس زمانے کے مشہور فقہاء اس معاملے میں ان کے ہم آہنگ ہیں۔"

موصوف اسی کتاب کے صفحہ ۳۷۹ پر امام محمدؒ کی تصنیفات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

" امام محمدؒ کی کتاب المبسوط بہت بڑی کتاب ہے جو چھ ضخیم حصوں میں لکھی ہوئی ہے اور ہر جلد کے اوراق کی تعداد بہ تقطیع کامل پانچسو ہے اور اس میں سب مسائل کی تفصیل ہے لو اب تم خود غور کرو کہ اس کتاب کے مسائل کی تعداد کیا ہو گی جب کہ مختصر قدوری میں جیساکہ لوگوں کا خیال ہے، بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) مسئلے ہیں تو مبسوط میں کس قدر مسائل ہوں گے حالانکہ مختصر قدوری اس کے دسویں حصے کے برابر بھی نہیں ہے ، بے شبہ یہ بہت بڑا سرمایہ ہے اور اس سے ان بزرگوں کی جدوجہد کی مقدار کا پتہ چلتا ہے ۔" انتہیٰ "

حقیر کہتا ہے کہ اگر اتنی بھاری کتاب میں چند اجتہادی مسائل کسی کے خیال میں از روئے دلیل کمزور رہوں تو کیا انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے جلیل القدر کارناموں کو چھپایا جائے اور ان کی انسانی کمزوریوں کے منبروں پر تشہیر کی جائے اور توہین و تذلیل کے ساتھ اہل الرائے سے پکارے جائیں ۔

بہر حال بندہ اس مختصر رسالہ میں اس بات پر زیادہ طویل بحث کرنا نہیں چاہتا۔ میرا مقصود گذشتہ اوراق میں صرف یہ

دکھانا ہے کہ اُمت کے تمام ذمہ دار فقہاء، محدثین و مجتہدین نے امام ابو حنیفہ رضؓ کی تعریف اور علم اجتہاد میں اپنا امام تسلیم کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سے اہلِ علم نے آپ کے بہت سے مسائل اجتہادیہ کے خلاف رائے زنی بھی کی، لیکن اس سے آپ کی عظمت پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا اور جنہوں نے تنقید کی انہوں نے بھی اپنے فرض کا ثبوت دیا۔ اس کے ساتھ ہم نے یہ بھی دکھایا کہ جو لوگ یہ کہتے پھرتے تھے کہ حضرت امام غزالیؒ اور حضرت شیخ سید عبدالقادر الجیلانیؒ و دیگر محدثین آپؓ کے سخت بر خلاف ہیں وہ غلطی پر ہیں اور درحقیقت انہوں نے اُن کی عبارتوں کا منشاء نہیں سمجھا۔

امام اعظمؓ کا مسلک

اب ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ حضرت امام ابو حنیفہؓ کے مذہب اور مسلک پر بحث کریں گے تاکہ عام لوگ جو معاذ اللہ آپ کے مسلک پر شک و شبہات کرتے ہیں وہ اس سے باز آئیں گے سب سے بڑا گناہ اُمتِ مرحومہ کے علماء و صلحاء کا بغض رکھنا اور اُن کو اسی طور سے انجان قوم میں پیش کرنا کہ بے خبر لوگ اُن سے بدظن ہو جائیں اور ظاہر ہے کہ جب عامۃ الناس اپنے بزرگوں سے خواہ وہ کوئی صاحب ہوں بدظن ہو جائیں۔ اس وقت دین

اور مذہب کا جو انجام ہوگا وہ ظاہر ہے۔

اس بحث کے سلسلے میں امام ابو حنیفہ رضؓ کے مذہب اور طریقۂ اجتہاد کو تاریخی شواہد کی روشنی میں پیش کرنا ضروری ہے تاکہ لوگ بہت بڑے مغالطہ اور بدگمانی سے خلاصی پائیں گے اور ان کے دماغوں اور ذہنوں میں جو یہ بات بٹھائی گئی کہ امام ابو حنیفہؓ حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر قیاس اور رائے سے کام لیتے ہیں اس کی حقیقت اور اصلیت ان کے سامنے روشن ہو جائے گی، اور خود مناسب فیصلہ پر پہنچ جائیں گے۔

واللّٰہ یہدی من یشاء الیٰ صراطٍ مستقیم۔

بکثرت اور متواتر روایتوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ امام ابو حنیفہ رضؓ اپنے مسلک اور طریقۂ اجتہاد کے متعلق فرماتے تھے کہ ہم سب سے پہلے دین کے احکام کتاب اللہ میں تلاش کرتے ہیں، اگر باوجود تلاش و جستجو کے قرآن مجید میں نہ پائیں تو تب سنّت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ ؐ کے طریقۂ عالیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اگر سنّتِ نبوی ؐ میں بھی مسئلۂ مطلوبہ نہ پائیں تو صحابہ کرام رضؓ کے اقوال و اعمال کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جو کچھ ان حضرات نے اختیار کیا ہو، ہم بھی وہی اختیار کرتے ہیں اور ان کے اختیار کئے ہوئے طریقہ سے کسی طرح عدول اور تجاوز نہیں کرتے

اور اگر مسئلہ مطلوبہ میں صحابۂ کرام رضؓ نے باہم اختلاف کیا ہو تو ہم اُس وقت اُن کے مختلف مسلکوں میں سے وہ مسلک اور وہ اجتہاد قبول کرتے ہیں جو کتاب و سُنّت کے ساتھ زیادہ موافق اور زیادہ قریب ہو۔ اور اگر مسئلہ مطلوبہ میں صحابۂ کرام رضؓ کا کوئی حکم نہ پائیں تو تابعین کی آراء اور قیاسات کی اتّباع و پیروی ہم پر فرض نہ ہوگی، کیونکہ " نَحْنُ رِجَالٌ وَھُمْ رِجَالٌ " یعنے ہم بھی مرد ہیں اور وہ بھی مرد۔ یعنی: ہم اور وہ تابعین ہونے میں برابر اور ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ لہٰذا ہم میں سے جس کا قول قرآن و سُنّت کے زیادہ مطابق اور موافق ہوتا ہے اس کو اختیار کرتے ہیں، اور جس طرح حق تعالیٰ نے اُن کو اجتہاد اور تفقُّہ فی الدّین کی صلاحیت عطا کی ہے اسی طرح ہمکو بھی اس جوہر کمال سے نوازا ہے حضرت ابن حجر مکّیؒ اپنی کتاب خیراتُ الحسان میں حضرت امام ابو حنیفہ رضؓ کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

فقد جاء عن ابی حنیفۃ من طرق کثیرۃ ما ملخصہٗ انہٗ اوّلاً یاخذ بما فی القراٰن فان لم یجد فبقول

امام ابو حنیفہ رضؓ سے بطریق تواتر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ فرماتے تھے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ سب سے پہلے قرآن شریف سے استدلال کرتے تھے اور اگر اس میں نہیں پاتے تو

الصحابة فان اختلفوا اخذ بما کان اقرب الی القرآن والسنة و لم یخرج عنهم فان لم یجد لاحد منهم قولاً لم یاخذ بقول احد من التابعین بل یجتهد کما اجتهدوا

صحابہ کرامؓ کے اقوال سے استدلال فرماتے تھے اور اگر اس صورت میں صحابہ کرامؓ مختلف الخیال نظر آتے تو انکے اقوالِ مختلفہ میں سے اس قول کو اختیار فرماتے تھے جو کتاب و سنّت کیساتھ زیادہ مشابہ اور زیادہ موافق ہوتا تھا اور انکے اختلاف سے باہر قدم نہیں رکھتے تھے۔ اگر ایسے مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا کوئی قول آپ کو نظر نہیں آتا تھا تو تابعین کی باتوں اور فتاوٰی کی پیروی ضروری نہیں جانتے تھے بلکہ ایسی صورتمیں وہ خود تابعین کی طرح اجتہاد فرماتے تھے۔"

اس کے متعلق فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں، کہ :-

" امام ابو حنیفہؒ کا یہ طریقہ تھا کہ اگر پیش آنے والے مسئلہ میں قرآن یا صحیح حدیث ہوتی تو اس کی پیروی کرتے تھے اور اگر اس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ یا تابعینؒ کی تصریح ہوتی تو پھر بھی ان ہی کی پیروی فرماتے تھے ورنہ قیاس کرتے تھے اور وہ قیاس بھی کتاب و سنّت کے ساتھ

زیادہ قریب ہوتا تھا۔"

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ بے ضرورت تابعین کے طریقہ سے بھی قدم باہر نہیں رکھتے تھے۔

سُبحان اللہ! کیسے بڑے صاحب بصیرت اور صاحب احتیاط گزرے ہیں۔ اُمّتِ مرحومہ کے تمام ذمّہ دار اماموں نے اسی کی پیروی کی، ماسوائے چند اصحاب ظواہر۔

سلطان المحدّثین حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ آپ کے مسلک اور طریقۂ اجتہاد کے متعلق فرماتے ہیں:۔

إذا جاءَ الحديث عن رَسُول اللهِ صلى اللهِ عليه وَآله وسلم فعلى الرّأس والعين وَإذا جاءَ عَنِ الصّحابة اخترنا ولا نخرج عن اقوالهم وَإذا جاءَ عَنِ التّابعين زاحمناهم"	جو ارشادِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم تک پہنچے وہ ہمارے سر آنکھوں پر، اور اگر صحابہ کرامؓ کا کوئی حکم ہمکو مل جائے تو وہ بھی ہمارے سر آنکھوں پر۔ اور اگر صحابہ کرامؓ کسی مسئلہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں تو اس وقت ہم انہیں سے وہ قول اختیار کرینگے جو کتاب و سنت کے ساتھ زیادہ قریب ہو، لیکن اُنکے اختلاف سے باہر قدم نہیں رکھیں گے اور تابعین کا مقابلہ دلیل و برہان کیساتھ کرینگے، اور جسکی دلیل زیادہ قوی ہو اُس کی بات مان لینگے۔"
(خیرات الحسان)	

امام ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں :

جمیع اصحاب ابی حنیفۃ مجموعون علی
اَنّ مذھبہٗ اَنّ ضعیف الحدیثِ اَولٰی عِندہٗ
مِنَ القیاس " (خیرات الحسان)

" امام ابو حنیفہ رضی کے تمام شاگرد اس بات پر متفق ہیں کہ
امام ابو حنیفہ رضی کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنا قیاس
پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔ " یعنی، جب آپ قرآن و حدیث اور
آثارِ صحابہ رضی و تابعین میں حکمِ شرعی نہ پاتے اس وقت قرآن
مجید کی آیت بلند پایہ فَاعتَبِرُوا یَا اُولِی الاَبصَارِ "
پر عمل کرتے تھے۔

ایسی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے،
کہ امام ابو حنیفہ رضی نے قیاس کو چھوڑ کر حدیثِ ضعیف پر عمل
کیا ہے۔ اگرچہ اس مختصر رسالہ میں اتنی گنجائش نہیں پھر بھی
قاری کی تسلی کے لئے دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں :-

(۱) ۔ امام ابو حنیفہ رضی کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی بالغ شخص رکوع
اور سجدہ والی نماز میں آواز سے ہنسے تو اس کا وضو بھی ٹوٹ
گیا اور نماز بھی جاتی رہی۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ
تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہٖ وسلم نے فرمایا :۔ "مَنْ ضَحِكَ قَهْقَهَةً فِي الصَّلٰوةِ فَلْيُعِدِ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ" یعنے :۔ جو کوئی نماز میں آواز سے ہنسے تو وہ اپنے وضوء اور نماز کا اعادہ کرے۔"

یہ حدیث محدّثین کے نزدیک ضعیف ہے اس لئے وہ اس کو چھوڑ کر قیاس پر عمل کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ مگر حضرت ابوحنیفہؒ حدیثِ ضعیف کا اتنا احترام کرتے ہیں اس کے ہوتے ہوئے قیاس پر عمل کرنا پسند نہیں کرتے۔ مگر افسوس کہ پھر بھی بدنام ہیں کہ مخالفِ حدیث ہیں۔

رہا یہ امر کہ یہ حدیث مخالفِ قیاس کیوں ہے ؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وضوء صرف اس وقت لوٹ جاتا ہے جبکہ بدن سے کچھ ناپاکی نکل جائے ـــــ نماز میں ہنسنے سے یہ بات نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حدیث مخالف قیاس وارد ہوئی ہے کہ اپنے ہی مورد و مقام کے ساتھ مخصوص رہے گی۔ پس اگر کوئی شخص نماز جنازہ میں آواز سے ہنسے تو اس وقت نماز اور وضوء پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

لہ : یہ حدیث شریف علماءِ اصول کے نزدیک حدیثِ اعرابی کے نام سے مشہور ہے اور اس کی سندیں مختلف ہیں۔

(۲) ۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضؓ کا مسلک یہ ہے کہ اگر بھول کر روزہ کی حالت میں کھانے، پینے یا صحبت کرنے سے روزہ نہیں جاتا، بلکہ روزہ دار اپنے روزہ پر برقرار رہتا ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس صورت میں روزہ جاتا رہے گا کیونکہ کھانا، پینا اور صحبت کرنا روزہ کی ضد اور مخالف ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ ضِدَّانِ لَا یَجْتَمِعَانِ " کہ دو متناقض چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں، امام ابو حنیفہ رضؓ نے اس صورت میں قیاس جلی کو چھوڑ کر ایک ضعیف حدیث پر عمل کیا کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھول کر کھانے پینے والے روزہ دار کو فرمایا: " تِمَّ عَلٰی صَوْمِکَ " کہ " اپنے روزوں پر برقرار رہو۔ "

اسی قیاس کے متعلق امام محمد بن حسن شیبانی رحؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رضؓ قیاسات میں اپنے اصحاب کے ساتھ مناظرہ کرتے تھے اور یہ لوگ اس میں ان کا مقابلہ کرتے تھے۔ لیکن جب وہ یہ کہہ دیتے تھے کہ میں استحسان کرتا ہوں تو اُن میں کوئی ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا تھا کیونکہ وہ استحسان میں بکثرت مسائل لاتے تھے۔ اس لئے یہ لوگ ان تمام مسائل کو چھوڑ کر ان کے حوالے کر دیتے تھے۔ (دیکھو تاریخ اسلامی، ص ۳۲۳)

استحسان کا حاصل یہ ہے کہ کسی حدیث کی بناء پر یا

ان اصولِ عامہ کی طرف رجوع کرکے جو متقدمین نے اجتہاد کئے ہیں یا کسی معین اصل کی بناء پر قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

غرض جن حضرات نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رضؓ نے حدیثوں کو چھوڑ کر قیاس پر عمل کیا، انہوں نے یا تو آپ کے اجتہادی مسائل پر غور و فکر نہیں کیا، یا کسی معاصرانہ رنجش کی وجہ سے آپ کو بدنام کرنا چاہا۔ مگر "وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ۔" ہاں اگر کسی صاحب کو سرسری نگاہ میں ایسا دکھائی دے تو اُسے پہلے فقہ اور حدیث کی کتابوں کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا چاہیئے، اور پھر اس جلیل القدر امام کو موردِ الزام بنانا۔ کسی دینی عالم یا پیشوا کو چاہیئے وہ فقیہ ہو یا محدث الزام دینا، بدنام کرنا، عام لوگوں کی نظروں میں اس کو گرانا بہت بڑا گناہ ہے۔

باقی یہ واضح رہے کہ امام ابو حنیفہ رضؓ کے اجتہاد اور تفقہ فی الدین کو سمجھنا معمولی بات نہیں۔ یہ صرف چند رسائل اور چند کتابوں کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہوگا، اس کے لئے تو بے شمار علم اور بے حساب عقل و دانش کی ضرورت ہے۔ چنانچہ انصاف پسند محدث حضرت امام شافعی الشافعیؒ فرماتے ہیں :-

دخل علی شخص قد — میرے پاس ایک عمر رسیدہ آدمی آگیا

طعن فی السّنن فاخرج
بعض کراریسہ وقال
اُنظر فی ھٰذہٖ فوجدتُ
فیھا جملۃً من المسائل
المنقولۃ عن الامام
ابی حنیفۃ و وجدتہٗ
قد شرع فی ردّھا
فقلت لہٗ مثلکَ لا
یفھم کلام ھٰذ الامام
فقال انّما اخذتُھا
عن الفخر الرّازی
بالنّسبۃ الی الامام ابی
حنیفۃ کآحاد الرّعیّۃ
مع السّلطان المعظّم
ولا ینبغی لاحدٍ من
الرّعیۃ الطعن علیٰ
امامہٖ الّا بحقٍّ واضحٍ
کالنصوص الشریفۃ و

اور میرے سامنے کچھ مسوّدات نکال کر کہنے
لگا کہ آپ یہ مطالعہ فرمائیں، میں
نے ان مسوّدات میں چند ایسے مسائل پائے
جو ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب تھے اور ان
صاحب نے ان کا ردّ لکھنا شروع کیا تھا۔
امام یافعی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اُس سے
کہا کہ آپ جیسے صاحب تو امام ابو حنیفہؒ
کا کلام سمجھ نہیں سکتے، اس نے کہا کہ میں
نے یہ اعتراضات امام فخر الدّین رازیؒ سے
نقل کئے ہیں۔ میں نے اس سے کہا،
کہ امام فخر الدّین رازیؒ باین عظمت
امام ابو حنیفہؒ کے مقابلے میں
ایسا ہی ہے، جیسا کہ ایک رعیت
بادشاہ کے مقابلے میں۔ اور رعیت
کے لئے اپنے امام پر اعتراض اور
ردّ و قدح کرنا جائز نہیں سوائے
ایسی جگہ جہاں قرآن و حدیث اور
اجماعِ اُمّت کا سوال ہو، اور

"أمّا ما كان من باب الاجتهاد بيقين فلا"

{حيات ابي حنيفة ص١٧١
ثم قال رضي الله عنه}

"امورِ اجتہادیہ میں امام پر اعتراض کرنا ہرگز درست نہیں۔"

(حیات ابوحنیفہ ص۱۷۱)

"كان لي صاحب عزيز عندي فذكر الامام ابا حنيفة يوماً بسوء وقال لا اقدر اسمع له قولاً فنهيته عن ذلك فلم ينته ففارقني فوقع من سلم فانكسر فقار ظهره وخرج زر وركه فمكث يتغوّط ويبول على نفسه بلا طهارة ولا صلوة الى ان مات على اسوء حال بعد خمسة اشهر" (انتهى بلفظه)

اس کے بعد امام یافعیؒ صاحب فرماتے ہیں: "میرا ایک شاگرد تھا جو مجھے محبوب تھا۔ ایک دن اس نے امام ابوحنیفہ کا بے ادبی کے ساتھ ذکر کیا اور کہا: میں اُنکی بات بھی سُننا پسند نہیں کرتا ہوں، میں نے اس کو اس سے روکا لیکن وہ اس بے ادبی سے باز نہیں آیا اور پھر مجھ سے جدا ہوگیا۔ اتفاقاً وہ ایک دن سیڑھی سے گر گیا اور اسکی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اسکی پشت کی بند نکل گئی، لاعلاج ہو کر ایک ہی جگہ پاخانہ اور پیشاب کرتا اور اسی میں لت پت رہ کر طہارت اور نماز کے بغیر رہتا تھا یہاں تک کہ وہ بیچارہ پانچ مہینوں کے بعد بری حالت میں مر گیا۔"

اسی کتاب میں سید عفیف المصریؒ فرماتے ہیں:۔

قال الامام الشعرانی رضی ایضاً ان کلّ من اعترض علی امام ابی حنیفۃ کالفخر الرازی جاھل بمدارک الامام و قد تتبعت المسائل التی قدّم فیہا المقلّدون من الحنفیّۃ القیاس علی النصّ فوجدتہا قلیلۃ جدًّا و بقیۃ المذھب کلّہ فیہ تقدیم النّصّ علی القیاس "

امام شعرانی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے امام ابو حنیفہؓ پر اعتراض کئے، جیسا کہ فخر الدین رازیؒ وہ معترضین درحقیقت امام کی عقل سے بے خبر محض ہیں (اسکے بعد اپنا تجربہ بتاتے ہیں کہ:) میں نے ان تمام مسائل کے متعلق چھان بین کی جن میں بظاہر امام ابو حنیفہؓ کے مقلّد قیاس کو نص پر مقدّم کرتے تھے تو میں نے اس قسم کے مسائل نہایت تھوڑے پائے اور باقی آپ کا پورا مذہب یہی ہے کہ نص شرعی کو قیاس پر پر مقدّم کرتے تھے۔"

امام شعرانیؒ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

و معظم الادلّۃ التّی اخذ بہا الامام ابی حنیفۃ ھی التّی اخذ

امام ابو حنیفہؓ کی اکثر دلیلیں وہی ہیں جو دوسرے اماموں نے اختیار کی ہیں وہ اسی حیثیت میں ماسوای

بكل إمام و ما انفرد	چند حدیثوں کے ایک دوسرے سے
احدهم عن صاحبه إلا	جدا نہیں ہوتے ہیں۔ حقیقت
ببعض الاحاديث و	میں وہ تمام ائمہ دین متین شریعت
كلهم في ذلك الشريعة	محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
يسبحون فالعاقل	کے آسمانوں میں شناوری کر رہے
من اقبل على اقوال	ہیں۔ پس عقلمند وہ ہے، جو
الائمة كلهم وعمل	تمام ائمہ کرام کے اقوال مبارکہ
بهما بانشراح صدر	کی طرف بلند حوصلہ اور قلبی
لا يخرج عن مرتبي	کشادگی کے ساتھ متوجہ ہو جائے
الشريعة هما التخفيف	اور شریعت کے دو مرتبوں یسر
والتشديد "	وعسر یا تخفیف و تشدید سے
	باہر نہ ہو جائے۔ "

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے تھے:۔

لقد بلغنا كل اقوال	بے شک امام ابو حنیفہ رضی کے تمام
الامام ابي حنيفة	اقوال ہم کو پہنچے ہیں۔ میں نے اُن
فما رأيت منها	اقوال میں سے جو بھی قول دیکھا
قولا الا وهو مستند	وہ صریح آیت یا صحیح حدیث
الى صريح اية او	یا آثار صحابہ رضی یا کسی دینی معنی

حدیث أو اثر أو مفہوم او القیاس جلي علی اصل صحیح وما رأیتہ استدل بحدیث ضعیف و انما یستدل بہ اذا کثرت طرقہ و لا خصوصیۃ لہ بذالک بل یوافقہ علیہ جمیع الائمۃ۔"

اور مفہوم کی طرف منسوب ہو جاتا تھا۔ یا کسی ایسے روشن اور واضح قیاس پر موقوف تھا جس کا کوئی قاعدہ کلیہ مسلم ہوتا ہے۔ میں نے امام ابو حنیفہؒ کو حدیث ضعیف سے استدلال کرتے ہوئے نہیں پایا، مگر ایسے وقت میں جبکہ حدیث ضعیف کی سندیں متعدد ہوتی ہیں۔ یہ آپ ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ اس قسم کے استدلال میں تمام ائمہ دین آپ کے شریک و سہیم ہیں۔"

الغرض استیعاب اور ائمہ دین کے تمام اقوال اس چھوٹے سے رسالہ میں پیش کرنا مقصود نہیں ہے۔ مقصود تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؓ کا مسلک اور طریقہ کتاب و سنت اور صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کے دائرہ کے اندر ہے اور دین کے معاملے میں آپؓ نے نہایت احتیاط کا ثبوت دیا۔ جیسا کہ سابقاً ائمہ کرام کے اقوال سے ثابت ہو چکا ہے۔ خاص کر امام یافعی الشافعیؒ جیسے بلند پایہ عارف اور محدث نے امام ابو حنیفہؓ کے

جو عبارت لکھی ہے وہ امام صاحب کی غیر معمولی فضیلت کی آئینہ دار ہے۔ خوب کہا ہے شاعر نے۔ ع

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

(کمال تو وہ ہے جس کی گواہی دوسرے دیدیں۔)

حضرت امام ابو حنیفہ رضؓ کے بعض اجتہادی مسائل جو بادی النظر اور سرسری نگاہ رکھنیوالے کسی صاحب کو شریعت کے خلاف دِکھائی دیں، اُن کا سمجھنا اور ان کی تہہ تک جانا ہر ایک کی بس کی بات نہیں۔ جیسا کہ امام شعرانیؒ کے سابق اقوال سے معلوم ہوا یعنی امام صاحب پر بہترین تنقید وہ کر سکتا ہے جسکا علم و دیانت امام صاحبؓ سے زیادہ ہو۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" پھر بھی ایسے مسائل میں بجائے ردّ و قدح کرنیکے بردباری اور قلبی وُسعت سے کام لینا چاہیئے تاکہ مسلمانوں کا شیرازہ بکھر نہ جائے۔

اعتراض بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؓ فقیہہ تو تھے مگر محدّث نہ تھے، یعنی اس قسم کے اعتراض کرنے والے آپکو فقہاءِ کرام میں شامل کر کے محدّثین کے دائرہ سے بالکل ہی نکال لیتے ہیں۔

جواب:۔ ایسے حضرات نے پورا غور و فکر نہ کیا اور نہ فنِ تنقید کی کتابیں ملاحظہ فرمائیں، ورنہ ایسا نہ کہتے۔ تمام حضرات محدّثین رحمہ

کرام نے آپ کو باوجود اختلاف کے محدّث اور فقیہہ تسلیم کیا ہے۔ (ملاحظہ ذہبی وغیرہ زیادہ قوت نہ ہو تو صاحبِ مشکوٰۃ کا اکمال ہی دیکھیے۔) پھر یہ عجیب و غریب بات ہے کہ آپ فقیہہ تو تھے مگر محدّث نہیں تھے حالانکہ فقیہہ وہ ہے جو کتاب وسنّت اور اجماعِ اُمّت سے پورا واقف ہو اور پھر ان کو اجتہاد واستنباط کا ملکہ اور قوّت ہو اور کلیات سے جزئیات نکالنا جانتا ہو، محدّث کی ذمّہ داری تو بس اتنی ہے کہ حدیثِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سند اور اس کے رجال کو خوب جانتا ہو اور پھر اس میں قوّتِ حافظ تیز ہو، اس کے بعد محدّث کی یہ ڈیوٹی نہیں کہ حدیث ناسخ ہے یا منسوخ؟ دوسری حدیث اسکی معارض ہے یا نہ، اور اس حدیث سے کیا کیا استنباط اور استخراج ہو رہا ہے؟ ذمّہ داری تو فقیہہ اور مجتہد کی ہے۔ پس ضروری ہے کہ جو مجتہد ہو گا وہ محدّث بھی ضرور ہو گا اور ہر محدّث کیلئے فقیہہ ہونا شرط اور ضروری نہیں ہے، یعنے ازروی منطق ان دونوں میں عمومِ خصوص مطلق ہے اس لئے فقیہہ کی تعریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: "مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ" اور فرمایا: "فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ" (بخاری شریف) صحابہ کرام تو سب ہی محدّث تھے اور سب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے شاگرد رشید تھے۔ مگر کیا وہ سب حضرات فقہاء تھے، اور کیا سب

صحابہ کرامؓ فتویٰ دیتے تھے؟ نہیں! بلکہ صرف وہ حضرات جن میں استنباط و استخراج کی قوت حق تعالیٰ نے عنایت کی تھی، بایں ہمہ اپنی عظمت جلالت اور رفعت ارجمندی میں وہ سب حضرات شریک و سہیم ہیں۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد: "اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم" سب کا حاوی اور شامل ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ جس نے صحابہ کرامؓ میں تفریق کی: فقد ضل ضلالاً بعیدًا۔ انجانا اللہ منھم۔ تاہم ہمیں اس جگہ اس بات کا بھی جواب دینا چاہیئے کہ اگر امام ابو حنیفہؓ فقیہ ہونیکے علاوہ محدث بھی تھے تو پھر آپ کا نام زیادہ تر فقہاء ہی میں کیوں شمار ہوتا ہے۔

جواب: حقیقت یہ ہے کہ جو شخص جس وصف اور جس صفت میں زیادہ ماہر اور زیادہ امتیاز رکھتا ہے تو وہ اسی صفت اور اسی وصف کے ساتھ زیادہ مشہور و معروف ہو جاتا ہے اسی بناء پر امام ابو حنیفہؓ بہت بڑے مفسر، محدث اور فقیہ ہونیکے علاوہ ادیب بھی تھے چنانچہ علامہ زمخشریؒ نے اُن کے اشعارِ بلیغہ ایک رسالہ میں جمع کئے ہیں۔ اگرچہ اُن تمام علوم میں امام صاحب کے اور بھی بہت سے اہلِ فضل اور اہلِ مجد شریک تھے مگر اجتہاد، استنباط، فقاہت کی امتیازی صفت آپکی افضلیت کی آئینہ دار ہے اور یہ صفت اُمتِ مرحومہ بہت کم حضرات کو کامل طور پر نصیب ہوتی۔ اسی لئے صرف آپ ہی کو امام الائمہ و مجتہدِ اعظم کا خطاب ملا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام اعظم یا اور کسی امام کے اجتہاد پر چلنا شرک ہے کیونکہ اس قسم کے اماموں کی اطاعت تابعداری سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت میں فرق آتا ہے۔

جواب:۔ امورِ اجتہادیہ میں مُسلّم مجتہدین کی پیروی اور تابعداری سے نہ کوئی شرک لازم آتا ہے اور نہ کوئی کفر، نہ اس سے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت میں کوئی فرق یا کمی لازم آتی ہے۔ اسلئے مجتہدین کرام کو مصدرِ احکام کی حیثیت سے نہیں مانتے اور نہ کوئی بھی کلمہ گو انکو اس حیثیت سے مان سکتا ہے نعوذ باللہ من ذالک۔ ہمارا ایمان ہے۔

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بلکہ ہم مجتہدین کرامؒ کو اس حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انکو اپنا مقدس اور پاک دین سمجھنے کی توفیق عطا کی تھی اور پھر وہ خیر القرون کے دوسرے، تیسرے درجے میں پیدا ہوئے اور انہوں نے دینداروں اور پاک بازوں سے علم حاصل کیا اور انکو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک بہت کم واسطے تھے اور انکے دینی معلومات شکوک وشبہات سے بالاتر تھے اور وہ حضرات آفتاب ہدایت اور ماہتاب نبوت ورسالت کے زیادہ قریب اور نزدیک تھے ہمیں افسوس اور بہت افسوس ہے کہ ہم نے اُس آفتاب رسالت اور انکے انوار وبرکات کو نہیں دیکھا، تاہم ان حضرات کا دامن تھامتے ہیں وہ بھی قرآن وسنت کی روشنی میں کہ ہم بھی اُن انوار

وبرکات میں شریک رہیں جو اُن مجتہدین عظامؒ اور محدثین کرامؒ نے حاصل کئے تھے تو بجائے اُس رحمت و مغفرت میں شریک ہونیکے مشرک کیوں بنیں گے، کافر کیوں ہونگے؟ حاشا و کلا، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ارشادِ ربانی ہے: "ہم نیکو کاروں اور بدکاروں کیساتھ ایک ہی سلوک نہیں کرینگے"

یہی وجہ ہے کہ ہم مجتہدین کو مصدر احکام کی حیثیت سے نہیں مانتے ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے: "المجتہد مظہر لا مثبت" کہ مجتہد احکام شرعیہ کو اپنی خداداد قابلیت سے ظاہر کرتا ہے اور وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔

واضح ہے کہ ہم مجتہدین کرام کو اسی طرح مانتے اور تسلیم کرتے ہیں جس طرح محدثین کرامؒ راویانِ حدیث کو پہلے مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ یعنی بالاتفاق علمائے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اُس وقت ثابت ہوگی جبکہ پہلے راویانِ حدیث کی عدالت اور صداقت تسلیم کیجائے اور اگر راویوں کی عدالت و صداقت تسلیم نہ کیجائے تو کیا حدیث رسولؐ ثابت ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ پس جبکہ ہزاروں راویانِ حدیث کی عدالت و صداقت تسلیم کرنے سے کفر و شرک لازم نہیں آتا تو اُن چند حضرات مجتہدین کی امورِ اجتہادیہ میں پیروی سے کفر و شرک کیونکر لازم آ سکتا ہے۔ اگر یہاں ایک شرک ہوگا تو دوسری جگہ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں شرک لازم آئیں گے۔ فتفکّر

بہر حال قارئین کرام معاف فرمائیں کہ حقیر مؤلف اپنے اصلی مقصود سے بہت دور ہوا، ہماری گذارش صرف اسقدر تھی کہ حضرت امام ابو حنیفہ رض کا مذہب و مسلک قرآن و حدیث اور اجماع امت و قیاس پر مبنی ہے جو بحمد اللہ اچھی طرح ثابت ہوا۔ اس مقام پر دو اہم سوال وارد ہوتے ہیں، جن کا جواب دینا نہایت ضروری ہے۔

پہلا سوال :- مجتہدین کرام کا اجتہاد کن شرعی دلیلوں سے ثابت ہے؟ یعنی وہ کونسی آیت یا حدیث مبارک ہے کہ جس سے ہم مجتہدین کا اجتہاد ماننے پر مجبور ہیں اور نہ مانیں تو سخت گناہگار ہوں گے؟

دوسرا سوال :- جب تمام مجتہدین حق پر ہیں تو آپ کیوں صرف حضرت امام ابو حنیفہ رض کے اجتہاد کو ماننے اور تسلیم کرنے پر زور دے رہے ہیں؟ اور کیا اگر کوئی باقی ائمہ دین میں سے کسی کے اجتہاد پر چلے گا اور اس کو معمول بہ بنائے گا تو کیا وہ شرعاً مجرم ہوگا؟

پہلے سوال کا جواب ! مجتہدین کرام کا اجتہاد بہت سی آیات اور احادیث سے ثابت اور مبرہن ہے تفصیل کی گنجائش نہیں۔ صرف بطریق اشارہ کچھ عرض کرتا ہوں۔ حدیث صحیح میں آیا ہے :-

بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذًا الی الیمن قال کیف تقضی یا معاذ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رض کو یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا، اور فرمایا: اے معاذ! تم یمن میں کس چیز کے مطابق

قال بکتاب اللّٰہ، قال فان لم تجد فی کتاب اللّٰہ ؟ قال فبسنۃ رسول اللّٰہ ﷺ قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم ؟ قال اجتھد برأیی ولا آلو ۔ قال الحمد للّٰہ الذی وفق رسول رسولہٖ بما یرضی بہ رسولہٗ

فیصلہ کروگے ؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : قرآن مجید کے مطابق ، آپ ﷺ نے فرمایا : اگر تم قرآن میں نہ پاؤ گے ؟ عرض کیا : تب سُنّتِ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرونگا ۔ آپ ﷺ نے فرمایا : اگر تم سُنّتِ رسول ﷺ میں حکم نہ پاؤ گے تو کیا کرو گے ؟ عرض کیا : اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کرونگا ، اور اجتہاد کرنے میں کوئی کمی نہیں کرونگا ۔ تب آپ ﷺ خوش ہوئے ۔ اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے فرمایا : شکر ہے اس خدا کا جس نے اپنے پیغمبر کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جو اسکے پیغمبر ﷺ کے نزدیک باعث مسرّت و پسندیدگی ہے ۔ ‘‘

(۲) ۔ بخاری شریف و مسلم شریف میں بروایت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث شریف آیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :

اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہٗ اجران و اذا حکم فاخطأ فلہٗ اجرٌ ‘‘

جب حاکم اپنے اجتہاد سے حکم کریگا اور اس میں صحت و تحقیق تک پہنچے تو اسکو دو ثواب ملیں گے ۔ اور اگر وہ اجتہاد سے سے فیصلہ کرے اور صحت و تحقیق تک نہ پہنچے تو اس کو ایک ثواب ملے گا ۔ ‘‘

۳۔ سنن بیہقی میں ثابت ہے :۔

اِنّ عمرؓ بن الخطاب لمّا ولّی شریحًا القضاءَ قال لہٗ انظر فما تبیّن لک فی کتاب اللّٰہ تعالٰی صریحًا فلا تسئلنّ فیہ احدًا وما لم تبیّن فی کتابِ اللّٰہ تعالٰی فاتّبع السُّنّۃَ وَاِنْ لم یتبیّن فیھا فاجتھد برأیک "	حضرت عمرؓ بن خطاب نے جب شریحؓ کو قاضی بنایا تو اُنکو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا: دیکھو جو حکم تم کو کتاب اللّٰہ میں صراحۃً ملے گا تو اس کو کسی سے پوچھے بغیر نافذ کرنا اور جو حکم تم قرآن مجید میں واضح طور پر نہ ملے تو اس میں سنت نبوی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی اور اتّباع کرنا۔ اور جو حکم تم کو سنّت نبوی ؐ میں واضح طور پر نہ ملے، تو اس وقت اس کے بارے میں اپنی رائے اور قیاس سے اجتہاد کرنا ۔"

اسکے علاوہ اور بھی بہت سی صحیح حدیثوں سے مجتہدین کرام کا اجتہاد ثابت ہے۔ علاوہ احادیث کے مفسّرین کرامؒ نے آیت: فاعتبروا یا اولی الابصار" اور" ففھّمناھا سلیمانَ " سے بھی مجتہدین کے اجتہاد کے حجّت اور دلیل ہونے پر استدلال کیا ہے۔ بہرحال کتاب اللّٰہ اور احادیث رسول صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم سے ثابت ہے کہ مجتہدین کا اجتہاد حق اور دلیل شرعی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کیلئے اس سے انکار کی گنجائش رہتی ہی

نہیں اور مذکورہ احادیث سے یہ بات بھی اچھی طرح ثابت ہوئی کہ مجتہد اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ اسکی اجتہادی ہوئی چیزیں حقیقت میں قرآن وحدیث ہی میں موجود ہوتی ہیں، مگر انکا سمجھنا ہر ایک کی بس کی بات نہیں ہوتی۔ اس پر بھی دلیل ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو: فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ" فرمایا: یعنی "اگر تم وہاں نہ پاؤگے۔" یہ نہیں فرمایا: "فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ" "کہ اگر قرآن میں انکا وجود ہی نہ ہو۔" نہ ہونے اور نہ پانے میں زمین وآسمان کا فرق ہے لہذا مجتہدین کے اجتہادی احکام درحقیقت قرآن وسنّت ہی کی طرف راجع ہیں، اس پر "لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ شاہد عدل ہے۔

یہی آیت ایکدن امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس مضمون پر پیش کی تھی کہ تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے احکام قرآن مجید میں موجود ہیں۔ ایک شخص نے آپ پر یہ اعتراض کیا کہ بتایئے طفیلی[1] کا حکم قرآن میں کہاں ہے؟ آپ نے برجستہ یہ آیت پڑھی۔ لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰهُ وَلٰکِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا۔ اعتراض کرنے والا جواب سن کر حیران ہوا۔

دوسرے سوال کا جواب:۔ ہمارا اعتقاد یہ نہیں ہے کہ اُمّتِ مرحومہ کے حضرات مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ہی حق پر ہیں اور باقی حضرات

---

(۱) طفیلی وہ ہے جو بغیر بلائے دعوتوں میں شریک ہوتا ہے۔

غلطی پر ہیں۔ ہم حنفی لوگ بلا تفریق تمام مسلّمہ مجتہدین کرام کو برحق جانتے ہیں۔ خواہ حضرت امام شافعیؒ ہوں یا حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبل ہوں یا اور کوئی مسلّم اور متفق علیہ مجتہد ہو۔ یہ سب حضرات پیشوایانِ دینِ متین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اُن سب حضرات پر نازل ہوں۔

رہا یہ امر کہ ہم نے اتنے مجتہدین کرام میں سے صرف امام ابو حنیفہؓ کو کیوں اتباع و پیروی کیلئے چُن لیا اور اختیار کیا ہے؟ تو اس کے تین سبب ہیں۔

(۱)۔ کشمیر میں دین اسلام حنفی علماء و مشائخ نے پھیلایا اور اُن میں سے ایک بہت بڑے رہبر دین شافعی المسلک تھے، مگر عام اہل اسلام کیلئے انہوں نے بھی اپنے اخلاص و ایثار سے حنفی مسلک ہی اختیار کیا۔ لہٰذا اگر اس مسلک کو چھوڑ دیں گے تو مسلمانوں میں اختلاف و افتراق پیدا ہوگا جس سے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

(۲)۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اب تک اس مسلک کی ہزاروں کتابیں جمع کی گئی ہیں اور دوسرے مسلکوں کی کتابوں کا وجود ہی نہیں اور اگر ہے تو برائے نام وہ کافی نہیں۔ اور بالفرض والتقدیر اگر کسی طرح اُن مسلکوں کی کتابیں بھی جمع کی جائینگی تو ایک ہی ملک میں مختلف مسلک کے مسلمان پیدا ہونگے جس سے بجائے اتحاد کے اختلاف پیدا ہوگا اور جس سے اُمتِ مرحومہ بڑی مصیبت میں گرفتار ہوگی۔ لہٰذا ہمیں وہ قدم اُٹھانا چاہیے جس سے مسلمانوں کا بھلا ہو، نہ وہ قدم جس سے ساری قوم گرفتارِ بلا ہوگی۔ جیسا کہ کچھ

دوست غیر شعوری طور پر اُدھر قدم اُٹھا رہے ہیں۔

(۳)۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ حنفی مسلک کے مسلمان دُنیا میں نوّے کروڑ میں ساٹھ کروڑ سے زیادہ ہیں، اور یہ لوگ "سوادِ اعظم" کے درجہ میں ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے: "اتَّبِعُوا السَّوَادَ الاَعظَم" مسلمانوں کی بڑی جماعت کی پیروی کرو" اور فرمایا: "یَدُ اللّٰہِ عَلَی الجَمَاعَۃ" "اللہ تعالٰی کا دستِ عنایت جماعت پر ہے۔" تو ہم کو بڑی جماعت کے ساتھ منسلک ہونا چاہیئے۔ اُس سے علیحدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ہاں اگر جماعت میں کہیں کمزوری ہے یا بدعات ہیں۔ یا اور کوئی خلافِ شرع بات پائی جاتی ہے تو اس کیلئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسکی اصلاح کی جائے نہ یہ کہ اس سے دُوری اور بے رخی اختیار کی جائے اور جُداگانہ مسجد بنائی جائے۔ یہاں پر ایک اور امتیازی اور لائق توجہ نکتہ ہے جس بناء پر ہم حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اتباع اور پیروی کرتے ہیں، وہ یہ ہے:۔

امام ابو حنیفہؒ جو مسائل استنباط اور اجتہاد کرتے تھے اُنکو اپنے وقت کے برگزیدہ اور جلیل القدر فقہاء و محدثین کی پارلیمنٹ میں ڈالتے تھے، پھر اُن مسائل پر موافقانہ اور مخالفانہ بحث کی جاتی تھی۔ اور جب علماء کو پورا اطمینان ہوتا تب اُن مسائل کو مدوّن اور کتابوں میں درج کرتے تھے، اور اس بحث میں آپ کے رفقاء کا حصّہ لیتے تھے جو عظیم الشان

فقہاء و محدثین ہونے کے علاوہ خیر القرون کے دوسرے اور تیسرے درجہ میں تھے اور جنہوں نے جلیل القدر تابعین کو دیکھا جنکو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک دو واسطوں سے زیادہ نہ تھا، لہٰذا اُن برگزیدہ حضرات کے کسی مسئلہ پر اجتماع کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اور وہ کس مسلمان کی ہمت ہے کہ اُنکے علمی ذخیرہ کا انکار کرے اور اگر ایسے عظیم الشان ائمہ فقاہت و روایت قابل اطمینان نہیں ہیں تو معاذ اللہ جن حضرات نے شخصی اور انفرادی طریقہ سے دین کی کوئی بھی خدمت کی ہو وہ کسطرح قابلِ حجت اور قابلِ اطمینان ہو سکتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دن امام ابو حنیفہؓ کی مجلس شوریٰ میں ایک مسئلہ پر زبردست بحث ہوئی۔ آخر کار جب وہ مسئلہ تمام ممبروں کے دستخطوں سے منظور ہوا تو انہوں نے اُس کو مدوّن کرنا چاہا لیکن امام صاحب نے منع کیا اور فرمایا: ابھی ایک ممبر عافیہ غیر حاضر ہیں، جب وہ آئینگے اور اپنی رائے ظاہر کرینگے تب اس مسئلہ کو درج کرو.. سبحان اللہ! کتنے اعلیٰ درجہ کے محتاط اور دین کی عظمت سے واقف تھے اور کس دیانت و امانت سے ہم تک دینِ حق پہنچا دیا۔ رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً۔

اسی احتیاط کا نتیجہ ہے کہ اُمتِ مرحومہ کے اکثر و بیشتر اربابِ کشف و اولیاء جیسا کہ متقدمین اولیاء میں حضرت ابراہیم بن ادہم، حضرت شقیق بلخیؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت ابی یزید البسطامیؒ، حضرت

فضیل بن عیاض، حضرت داؤد طائی، حضرت ابی حامد اللفاف،
حضرت خلف بن ایوب، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت وکیع بن جراح
حضرت ابی بکر الوراق، حضرت زہیر اور انکے علاوہ ہزاروں اولیاء
وفقہائے کرام آپ ہی کے نظریہ اور تحقیق کے مطابق دین اسلام پر گامزن
تھے۔ افسوس کہ ہم چند رسائل سے کام لیکر امت کے ان پیشوایان
دین پر جس غلط رنگ سے تنقید و تبصرہ کرتے ہیں وہ باخبر لوگوں
کے قلوب اور دماغوں کو مدکوف و مدہوش بنا تا ہے۔

غرض امام صاحب کا اجتہاد تنہا آپ ہی کا اجتہاد نہیں بلکہ آپکو
اپنے اجتہادی مسائل میں ہمعصر فقہاء و محدثین کی بھاری اکثریت کی
تائید و حمایت بھی حاصل تھی۔ اس سلسلہ میں مسند خوارزمی کا یہ اقتباس
ملاحظہ فرمائیے:۔

فی مسند الخوارزمی ان الامام ابا حنیفۃ اجتمع معہ الف من اصحابہ اخذوا عنہ وعاونوہ فی وضع مسائل المذھب وفی اعداد الجواب عنہا	مسند خوارزمی میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ایک ہزار علماء جمع ہوئے جنہوں نے آپ سے فقہ و اجتہاد کی تعلیم حاصل کی پھر انہوں نے آپ کو جزئیات کے وضع کرنے اور جزئیات کے جوابات تیار کرنے میں مدد دی۔ ان ہزار علماء میں جو زیادہ اجل اور برگزیدہ

واجلّ ھؤلاء الاصحاب
وافضلھم اربعون،
قد بلغوا حدّ الاجتھادِ
فقرّبھم وادناھم و
قال اَلجمتُ ھٰذا الفقہَ و
اَسرجتہٗ لکم فاعینونی
فکان اذا وقعت واقعۃٌ
شاورھم وناظرھم وحاورھم
وسألھم فیسمع ما عِندھم
من الاخبارِ والآثار و
یقول ما عندہٗ ویناظرھم
شھرًا او اکثر حتی یستقرّ
آخر الاقوال فیثبتہ
سکرتیرہٗ ابو یوسف حتی
اثبتَ اصولَ المذھب
علیٰ ھٰذا المنھاج شوریٰ
بَینَ اصحابہ کما یفعل
بالقوانین فی ارقی برلمانات

تھے وہ چالیس حضرات تھے جو درجۂ
اجتہاد تک پہنچے تھے۔ آپ نے
ان سب کو اپنے قریب کیا، اور
فرمایا کہ میں نے اس فقہ کو لگام
دی اور اس پر زین ڈالا یعنی
اس پر قابو پاکر تمہارے لئے
آسان بنایا۔ لہٰذا اس کے مدوّن
کرنے اور اس کو پایۂ تکمیل تک
پہنچانے میں میری مدد کرو۔ پس
جب کوئی واقعہ پیش آتا تو ان
سے مناظرہ اور بات چیت کرتے تھے
اور ان سے پورا تشخص و تجسس
کرتے اور ان کے اخبار و آثار سنتے
تھے اور اپنے علم و رائے سے بھی اُن
کو آگاہ کرتے تھے۔ کبھی ایک ایک
ماہ اور کبھی اس سے بھی زیادہ ایک
ایک مسئلہ پر بحث چلتی تھی۔ یہاں تک
اس مسئلہ پر قولِ فیصل صادر ہوتا

العالم المتمدّين في هذه
الايّام بل انّ اعضاء
البرلمانات في هذه الايّام
اكثرهم تتغلّب عليه المادّة
فضلاً عن ان اغلبهم
ممّن لم يمتازوا عن
الاميين الّا قليلاً وقد
لايحسنون القراءة و
الكتابة كثيراً امّا اصحاب
ابي حنيفة فكانوا من
صفوة العلماء المبرزين
الّذين بلغوا درجة
الاجتهاد ولم يكن للمادّة
عليهم من سلطان ـ"
(حیاۃ الامام ابو حنیفہ مطبوعہ مصر)

تھا تب اس کو کتابوں میں درج
کرتے۔ آپ کا سیکرٹری قاضی ابو
یوسف تھا جنہوں نے مذہب و
اجتہاد کے اصول میں نہج اور
طریقہ پر مرتب کئے۔ آپ کے شاگردوں
کا پارلیمنٹ تھا، جیسا کہ اس زمانہ
میں عالم کی ترقی یافتہ پارلیمنٹوں
میں قاعدہ ہے بلکہ اس زمانہ کے
اکثر پارلیمنٹوں کے ممبروں پر مادیت
غالب ہے اور پھر اُن کی اکثریت
بے علم محض ہوتی ہیں، مگر امام ابو حنیفہؒ
کے شاگرد ساتھی اور انکی پارلیمنٹ کے ممبران
سب فائق اور لائق تھے اور سب درجہ اجتہاد
کو پہنچ گئے تھے پھر انکو مادی و دنیوی اغراض
نہ تھے۔ محض خدا کیلئے کام کرتے تھے۔

تو معلوم ہوا امام ابو حنیفہؓ کا اجتہاد تنہا آپ کا نہیں بلکہ اس زمانہ
کے محدثین و فقہاء ان کے اس میں شریک تھے۔ لہذا انکے اجماع اور
اجتہاد سے تجاوز کرنا بہت زیادہ نامناسب ہے، جس سے اُمّت

مرحومہ کو بہت بڑا نقصان پہنچا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے کوئی کتاب نہیں لکھی، اس لئے ہم اُن کی اتباع کر نہیں سکتے۔

اس کے دو جواب ہیں ایک تو امام صاحبؒ کی متفق تصنیفات میں آئے گا۔ دوسرا جواب ہم مختصراً اس مقام پر عرض کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے کونسی کتابیں لکھی ہیں اور اُنکی کونسی صحیح کتابیں موجود ہیں؟ تو کیا معاذ اللہ صحابہ کرامؓ کو ہم کم علم کہہ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ لہذا امام ابو حنیفہ رضؓ صحابہ کرامؓ کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ بایں ہمہ کہ آپ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی آپ کی شان یہ ہے کہ اُمتِ مرحومہ کا کوئی مجتہد کوئی محدّث یا کوئی فقیہہ کوئی کتاب لکھتا ہے تو وہ کتاب ہی کونسی ہے جس میں وہ حضرات مُصنفین رحمہم اللہ اجمعین اُس مجتہدِ اعظم کا نام موافقانہ یا مخالفانہ نہ لیتے ہوں۔ یہ ہے کہ آپ کو مِنَ اللہ قبولیت۔ یہ ہے عنایت اللہ اور فضلِ اللہ۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

قبل اس کے کہ ہم بحثِ اجتہاد ختم کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی بہت سی اجتہادی خصوصیات و امتیازات میں سے صرف ایک امتیازی خصوصیّت کی طرف آپ کی توجہ مبذول کریں۔ یہ وہ امتیاز و خصوصیّت ہے جو تمام ذمہ دار اسلامی حلقوں نے بے حد پسند کی، اور اس وقت بھی ممالکِ اسلامیہ

کے مسلمان اس امتیازی خصوصیت سے مستفید ہو رہے ہیں اور مختلف فقہوں میں سے فقہ حنفی کو قانونی حیثیت دی۔

اس خصوصیت کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے اجتہاد و استنباط میں بہت زیادہ وسعت اور گنجائش ہے اس کے ماننے اور تسلیم کر لینے سے کوئی دقت اور سختی لازم نہیں آتی۔ بلاشبہ یہی وسعت و گنجائش دین حنیف کا واحد مقصد ہے۔ جیسا کہ: یُرِیدُ اللّٰہُ بِکُمُ الیُسرَ وَلا یُرِیدُ بِکُمُ العُسرَ "اللہ تعالیٰ تمہارے لئے دین کے معاملے میں آسانی چاہتا ہے، کوئی تنگی اور سختی نہیں چاہتا۔" اور فرمایا: مَا جَعَلَ عَلَیکُم فِی الدِّینِ مِن حَرَجٍ " پروردگار نے تمہارے لئے دین میں کچھ سختی نہیں کی۔" یعنے دین کے احکام ایسے طور پر نہیں فرمائے کہ ان کی تعمیل ناممکن ہو، اور رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ سے بھی یہی معنے اور مفہوم مترشح ہوتا ہے۔

چونکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا طریقِ اجتہاد فطری طور پر ان آیات کے عین مطابق ہے، اس لئے اس نے قبولِ عامہ کی سند حاصل کی۔ ہم اس اجتہادی وسعت و ہمہ گیری کی تشریح اور توضیح دو تین مثالوں سے عرض کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ واضح رہے کہ اس دعویٰ کی تائید میں تقابلی مثالیں دینا نہایت ناگزیر

ہے، مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ معاذ اللہ اس سے ہمارا مقصود بانی پیشوایانِ دین کی عظمت و رفعت کو گرانا ہے حاشا و کلاّ ہمارا ایمان ہے کہ اُمّت مرحومہ کے تمام مُسلّم الثبوت اَئمہ کرام، مجتہدین عظام حق پر ہیں۔ لہٰذا ہم اس سلسلے کی صرف تین مثالیں معہ اصلی عربی عبارت پیش کرتے ہیں۔

مثال ۱: فی الایمان — ایمان کے بارے میں

ذهب ابوحنيفة الى انّ الايمان هو التّصديق بالقلب والاقرار باللّسان فمن صدّق محمّداً صلّى الله عليه وسلّم بقلبه فيما جاء به من عند ربّه واقرّ بلسانه فهو مؤمن"	امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایمان اس بات کا نام ہے کہ دل سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق اور زبان سے اس کا اقرار کرنا۔ لہٰذا جس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی دل سے تصدیق کی اور زبان سے اس کا اقرار کیا وہ مومن ہے۔"
امّا الاعمال اى الصّلوٰة والصّيام والزّكوٰة والحجّ فغير داخلة فيه	اور اعمال جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج یہ ایمان کی ماہیت و حقیقت میں داخل نہیں ہیں۔
وذهب الشّافعىؒ رضى الله عنه	حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الی انّھا داخلۃٌ فیہ وَ یلزمُ مِنْ ذٰلِکَ اَنَّ مَنْ تَرَکَ الصّلوٰۃ اوالصَّوْمَ وَ الزّکوٰۃ اوالحجّ فلایکون مُؤمِنًا لِاَنَّ الکُلَّ فینتفی بانتفائِہٖ فیکون فی النّار مُخلّدًا ۔ وَلایخفٰی انّہٗ جاءَ فی بعض الاحادیثِ مَنْ قال لا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ دَخَلَ الجَنَّۃَ فَلَوْلَا مَذْھَبُ ابی حنیفۃ لکان کُلُّ مَنْ تَرَکَ فِعلاً من الافعال المذکورۃ انفًا کافرًا تُطلقُ دراجتہٗ وَیکونُ بوطیھا زانیا ینبُکُ حجّہٗ وَجھادُہٗ " (انتھٰی)

کہ اعمال ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں۔ امام شافعیؒ کے اس مسلک سے یہ لازم آتا ہے کہ جس نے نماز یا روزہ یا زکوٰۃ یا حج چھوڑ دیا وہ مومن نہ ہو۔ کیونکہ جز کے فقدان سے کل کا فقدان ظاہر ہے لہٰذا روزہ یا نماز چھوڑنے والا کافرِ مطلق ہو جائے گا اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ علاوہ اسکے یہ مسلک حدیثِ من قال لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنّۃ کے بھی مخالف ہو گا اگر امام ابوحنیفہؒ کا مسلک نہ ہوتا تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جس شخص نے مذکورہ اعمال (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) میں سے کوئی عمل چھوڑا ہو وہ کافر ہونا چاہیئے اور اسکی بیوی کو طلاق واقع ہونی چاہیئے اور اسکے ساتھ ہمبستری کی وجہ سے زانی کے حکم میں آنا چاہیے اور اسکا حج اور جہاد بھی باطل ہونا چاہیئے۔"

خلاصہ یہ ہے کہ اتنی دِقتیں اور سختیاں تو امام شافعیؒ صاحب کا مسلک قبول کرلینے کی وجہ سے لازم آگئیں اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب و مسلک میں ان دِقتوں میں سے کوئی بھی دِقت لازم نہیں آتی۔ ہاں ایسا شخص فاسق اور سخت گنہگار تو ضرور ہوگا، مگر دائرہ اسلام سے نہیں نکلے گا کیونکہ اجتہاد کرتے وقت یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ" بالکل پیشِ نظر رہا۔

مثال ۲۶: فی الطہارۃ

قال ابو حنیفۃ یجوز الاغتسال والوضوء بما سُخِن بالروث والخرۃ وقال الشافعیؒ لایجوز فلولا مذھب ابی حنیفۃ لم یتطھر بماء سُخِن بالروث و لم یتطھر من دخل حمامات مصر و انّ الم یتطھر لا تصح	امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جو پانی بجائے لکڑی کے اوپلوں سے گرم کیا جائے اس سے وضو اور غسل کرنا جائز اور درست ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایسے پانی سے غسل یا وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ پس اگر امام ابو حنیفہ کا مذہب نہ ہوتا تو اس کا ناپاک ہونا لازم آتا جو اوپلو پر پانی گرم کرکے اس سے وضو یا غسل کرے اور مصر کے حماموں میں داخل ہونے والا بھی ناپاک ہوگا[۱]۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ

[۱] کیونکہ وہاں (مصر میں) اوپلوں سے ہی کام لیا جاتا ہے۔

صلوتہٗ ولا یجوز لہٗ	ایسے شخص کا وضو نہ ہونے کی وجہ
مسّ المصحف بیدہٖ	سے اس کی نماز بھی نہیں ہوگی،
ولا یجوز لہٗ قراءتہٗ	اور ایسے شخص کا قرآن مجید کو چھونا
القراٰن ولا دخولہٗ فی	اس کا پڑھنا اور مسجد میں داخل ہونا
المسجد واذا زالت	کسی طرح درست نہیں اور ان چیزوں
صلوتہٗ زال ایمانہٗ	کی عدم صحت کی وجہ سے اس کا ایمان
ولزم ما ذکرناہٗ فیما	بھی نہ رہا اور اس کے علاوہ وہ
تقدّم۔"	تمام محظورات بھی لازم آئیں گے
	جن کا اُوپر ذکر آچکا ہے"!

حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی رو سے جو دِقّتیں لازم آئیں ان میں سے کوئی بھی دِقّت حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک بروئے کار لانے سے لازم نہیں آتی۔

مثال ۳

وفی الحج قال الشافعیؒ	امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ طواف
الطّھارۃُ شرطٌ لصحّۃ	کی صحّت و درستی کیلئے باوضو ہونا
الطواف ومسّ المرأۃ	شرط ہے اور عورت کو چھونے سے وضو
ینقضھا خلافًا لابی	ٹوٹ جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ
حنیفۃ فیھا عدمُ البلوٰی	عورت کو چھونے سے وضو پر کوئی اثر نہیں

فی الطّواف وَمَسَّ النِّساءِ ظاهِرٌ لاینکرہ کُلٌّ مِنَ الحجّ ۔"

پڑتا، بلکہ وہ بدستور باقی رہتا ہے۔ طواف ضرورت عامہ اور اس میں عورتوں کیساتھ بھیڑ اور ازدہام میں مس کرنا اتنا ظاہر اور واضح ہے کہ کوئی حاجی اس سے انکار نہیں کرسکتا۔"

قال شمسُ الدّین الاصبهانی توضّأتُ فی الطّوافِ عشرَ مرّاتٍ لا طُوفَ علی المذهبِ الشّافعیؒ فلم اَقدِرا علی ذالکَ ۔"

شمس الدّین اصفہانی کہتے ہیں: میں نے طواف میں دس مرتبہ وضو کیا تاکہ امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق سات گردشیں پوری کرسکوں، لیکن میں نے اس پر قدرت نہ پائی، کیونکہ کسی نہ کسی عورت کے ساتھ طواف میں مزاحمت ہوتی تھی۔"

قال فقلدت اباحنیفۃ فلولا مذهب ابی حنیفۃ لَعادَ کُلٌّ مَنْ ذَهَبَ اِلَی الحجّ بلاحج وهذا ممّا لا یجوّزہ احدٌ وَاذا انتفی الحجّ انتفی جُزءُ الایمان والکلُّ یَنتَفِی بانتفاءِ جُزئِہٖ۔"

موصوف کہتے ہیں کہ پھر میں نے امام ابوحنیفہ کی تقلید کی، اگر امام صاحبؒ کا مذہب نہ ہوتا تو تمام حاجی حج کے بغیر ہی واپس لوٹتے حالانکہ یہ شکل کوئی بھی عالم پسند نہیں کرتا، اور جبکہ امام شافعیؒ کا مذکورہ مسلک تسلیم کرنے سے حج شرعی درست نہیں ہوا تو معاذ اللہ جزء ایمان جاتا رہا اور ظاہر ہے کہ انتفاء جزء انتفاء کل پر دلالت کرتا ہے۔"

لہٰذا امام اعظمؓ کی اس اجتہادی وسعت و آسانی کی بناء پر تقریباً اکثر اہلِ اسلام نے اس کو قبول کیا ورنہ اکثر لوگ مسلمان ہونے کے باوجود کافروں میں شمار ہوتے۔

دوسرے مجتہدین کرامؒ کا مسلک اختیار کرنے سے اُن ممالک کی اکثریت اقلیت میں تبدیل ہو جائے گی جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہو۔

لہٰذا آپ کو حضرت امام ابو حنیفہؓ کے اجتہادی نکتۂ نظر کی داد دینی چاہیئے، اور ردّ و قدح و جرح و تعدیل کی بحث میں پڑنے کی بجائے یہ دُعاء پڑھنی چاہیئے:۔

"رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○

گذشتہ اوراق میں آپ نے سلفِ صالحین اور ائمۂ دینِ متین کے بیانات و تحریرات کی روشنی حضرت امام ابو حنیفہؓ کی بلند مرتبہ شخصیت کا کچھ اندازہ لگایا ہو گا۔ آیئے! اب آپ آنجنابؓ کے اُن ذاتی حالات و اطوار سے لُطف اندوز ہو جایئے جو ایک مذہبی پیشوا کے لئے نہایت ضروری ہیں اور جن کے بغیر اسلامی دنیا میں کوئی بھی صاحبِ فضل پیشوائی اور رہنمائی کے قابل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے اوصاف اپنے تنوّع کے اعتبار سے اگرچہ بے شمار اور لاتعداد ہیں مگر

ہم ان میں سے صرف چند ضروری اوصاف[1] تاریخی تحقیق کے مطابق اس کتاب میں بیان کرینگے۔ تاکہ معزز قارئین کرام آپؓ کے علمی کمالات کے ساتھ ساتھ آپ کے عملی، اخلاقی حالات سے بھی بہرہ اندوز ہوکر جناب امام صاحبؒ کے علم و عمل کا صحیح اور درست اندازہ لگا کر کسی بہترین نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرینگے۔

لہٰذا اسوقت ہم آپ کی عبادت گذاری کے متعلق کچھ عرض کرینگے۔ احتیاطاً صرف اکابر حضرات شوافعؒ کے حوالجات پر کفایت کرینگے:۔

امام اعظمؒ کی عبادت

قال الذهبیؒ قد تواتر قيامه الليل وتهجده وتعبده ومن ثمه كان يسمى الوتد ـ بل احياءه بقراءة القرآن فى ركعة ثلاثين سنة وحفظ عنه انه صلى

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؓ کی شدتِ عبادت، تہجد گذاری اور شبخیزی ویادِ الٰہی بطریقِ تواتر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور اسمیں شک و شبہ کرنیکی گنجائش نہیں ہے۔ عبادت میں اسی صلوبت و شدت کی بناء پر آپکو وَتَد (میخ) کہا جاتا تھا۔ اتنا

---

[1] جیسے عبادت، خوف و خشیت اور کثرتِ کلام و غیبت سے کنارہ کشی، بذل و سخاوت، فہم و فراست درجۂ ذکاوت، صفائی قلب و روحانی مقدرت، قوتِ بیانی، علمی جوابات، دوسرے ائمۂ دین کیساتھ آپ کے مناظروں اور مباحثوں کی تفصیلات، حلم و بردباری، کسبِ تجارت سے گذر اوقات اور امیروں اور بادشاہوں کے انعامات سے کنارہ کشی، ہمسایوں کے ساتھ برتاؤ، اساتذہ اور والدین کیساتھ عادات و اطوار، سرکاری عہدوں سے اجتناب اور اسی قسم کے سینکڑوں حالات۔

صلوٰۃ الفجر بوضوءِ
العشاءِ اربعین سنۃً"
(خیرات الحسان)

ہی نہیں بلکہ آپ تلاوت قرآن کریم کیساتھ راتوں کو
جاگتے تھے ایک دو شب نہیں بلکہ تیس سال مسلسل
شبانہ ایک ہی رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے
اور یہ بات بھی پوری صحت کے ساتھ آپ کے متعلق
محفوظ ہے کہ آپ نے چالیس سال عشاء کی وضو
سے صبح کی نماز پڑھی۔"

وکان عامۃ اللیلِ
یقرأ جمیع القرآن فی رکعۃٍ
واحدۃٍ یُسمع بکائہٗ۔
باللیلِ حتّٰی یرحمہٗ جیرانہٗ
وَحُفِظَ عَنْہُ اَنَّہٗ خَتَمَ
القرآن فی الموضع الذی
توفی فیہ سبعۃ آلاف
مَرَّۃٍ۔"

اور رات بھر ایک ہی رکعت میں
ختم قرآن کرتے تھے اور غلبۂ خوف الٰہی
کی وجہ سے اتنا روتے تھے کہ آپ کے
ہمسایہ بھی متاثر ہوتے تھے۔ اور
یہ بھی آپ سے ثابت ہے، کہ جس
جگہ آپ نے وفات پائی وہاں
سات ہزار ختم قرآن کئے تھے۔
رحمۃ اللہ علیہ۔

ووقع رجلٌ فیہ
عند ابن المبارکؒ فقالَ
ویحکَ اَتَقَعُ فی رَجُلٍ
صلّٰی خمسًا اربعین سَنَۃً
خمس صلوات علی وضوءٍ

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کے پاس
ایک شخص نے امام صاحبؒ کی غیبت کی آپ نے
اسکو تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا برا ہو کیا
تم ایسے آدمی کی غیبت کرتے ہو جس نے پینتالیس
سال پانچ نمازیں ایک ہی وضو سے ادا کیں

واحدٍ وكان يختم القرآن
في ركعتين وتعلمت
ما عندي من الفقه
منه."

وقال ابو مطيع ما دخلت
الطواف في ساعة من
الليل الا رأيت ابا
حنيفة وسفيان فيه
وسبب احيائه الليل
انه سمع رجلا يقول
لآخر هذا ابو حنيفة
الذي لا ينام. فقال
لابي يوسف: سبحان
الله الا ترى ان الله
تعالى نشر لنا هذا
الذكر أوليس بقبيح
ان يعلم الله تعالى
منا ضد ذلك والله

اور جو ایک ہی رکعت میں ختم قرآن کرتا
تھا اور انکا علم اتنا زیادہ تھا کہ جو کچھ تو
نے مجھ سے فقہ سیکھا وہ اُن ہی کی
عطا ہے۔"

ابو مطیعؒ فرماتے ہیں کہ جب کبھی میں نے
شبانہ کعبۃ اللہ کا طواف کیا تو میں
نے ہمیشہ امام ابو حنیفہؓ اور امام سفیان ثوریؒ
کو اس میں پیش پیش دیکھا، اور آپ
کے پورے شب جاگنے اور عبادت کرنیکا ظاہری
طور پہ سبب بنا کہ آپنے سُنا ایک آدمی
دوسرے سے کہہ رہا تھا: "یہ ابو حنیفہ ہے
انکو بالکل سوتا ہی نہیں" تب آپ نے
امام ابو یوسفؒ کو فرمایا: کہ "سبحان اللہ!
تم دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا یہ تذکرہ
کسطرح لوگوں میں پھیلایا؟ کیا یہ
بُری بات نہیں کہ ظاہر میں ہمارا چرچہ
ایسا ہو کہ خدا تعالیٰ کو ہمارے متعلق
لوگونکے بیان کے برخلاف علم ہو؟ خدا کی

لا تحدث الناس عنی بما لم افعل فکان یحیی اللیل صلوٰۃ وتضرعا ودعاء۔

قسم کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ ہمارے متعلق ایسی صفتیں بیان کریں، جنکی انجام دہی سے میں قاصر رہوں گا۔ اس لئے اس وقت سے رات بھر نماز، عاجزی اور دعا کے ساتھ بیدار رہتے تھے۔

قال فضیل بن دکین بضم الدال المهملة رأیت جماعۃ من التابعین وغیرهم فما رأیت احسن صلوٰۃ من ابی حنیفۃ ولقد کان قبل الدخول یبکی ویدعو۔"

فضیل بن دکین فرماتے ہیں کہ میں نے تابعین اور انکے علاوہ بھاری جماعت (اہل علم کی) دیکھی لیکن ان میں سے کسی کو امام ابوحنیفہ رح سے زیادہ بہترین نماز پڑھنے والا نہ پایا آپ کا قاعدہ تھا کہ نماز میں داخل ہونے سے پہلے روتے تھے اور دعائیں کرتے تھے۔"

وعن خارجۃ ختم القرآن فی رکعۃ داخل ونرود فی قولہ تعالیٰ بل الساعۃ موعدهم والساعۃ ادهی وامر۔"

حضرت خارجہ رح سے روایت ہے کہ کعبہ شریف کے اندر پورا قرآن مجید چار صحابیوں نے پڑھا ان میں سے ایک ابوحنیفہ رح ہے۔ ایک مرتبہ آپ شبانہ اس آیت پر پہنچے "بل الساعۃ موعدهم" الخ تو آپ اتنے متاثر ہوئے کہ پوری رات یہی آیت دہراتے رہے۔"

وَقَرَأَ لَيْلَةً أُخْرٰى حَتّٰى وَصَلَ "فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ" فَمَا زَالَ يُرَدِّدُهَا حَتّٰى أُذِّنَ لِلْفَجْرِ وَقَالَتْ أُمُّ وَلَدِهٖ مَا تَوَسَّدَ فِرَاشًا بِلَيْلٍ مُنْذُ عَرَفْتُهٗ وَاِنَّمَا كَانَ نَوْمُهٗ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِالصَّيْفِ وَاَوَّلَ اللَّيْلِ مَسْجِدُهٗ فِي الشِّتَاءِ ۔"

ایک رات آپ قرآن شریف پڑھتے تھے جب آیت "فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا... الخ" پر پہنچے تو اس کا خوف قلب مبارک پر اتنا طاری ہو گیا کہ رات بھر اسی کو پڑھتے رہے یہانتک کہ نماز صبح کی اذان دی گئی۔ آپ کی باندھی کہتی ہے کہ جب سے میں آپ کے گھر میں آئی میں نے آپ کو کبھی تکیہ رکھکر سوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ موسم گرما میں ظہر اور عصر نماز کے درمیان سوتے تھے۔ اور سردیوں کے موسم میں نماز مغرب کے بعد اپنی مسجد میں۔"

(خیرات الحسان)

حقیر کہتا ہے کہ اس قسم کی اور بھی بیسوں روایتیں آپ کی عبادت کے متعلق معتمد راویوں نے بیان کی ہیں جن کے انکار کی گنجائش نہیں۔ تھوڑی دیر کیلئے ان روایتوں کو مبالغہ بھی مان لیجئے مگر کہاں تک ؟ اس کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ یہ روایتیں

تو مسلّم محدّثین و فقہائے نے نقل کی ہیں۔ لہذا یہ متواتر روایتیں باعتبار اکثریت بالکل درست ہیں، جسطرح حضرت امام صاحبؓ کے علم نے دنیا کو حیران بنایا۔ اسی طرح آپ کی عبادت و ریاضت اور روحانیت نے بھی بندگان خدا کو ششدر کر دیا۔ ہم آپکی عبادت کے متعلق باقی روایات اور پھر اُن سب روایتوں پر جو عقلی حیثیت میں اعتراض وارد کئے جاتے ہیں انشاءُ اللہ تعالی حصۂ دوّم میں تفصیل دار پیش کریں گے۔ سردست حضرت پیر رومی رحمتہ اللہ علیہ کے یہ شعر یاد دلائیں گے۔ ع

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ضمیمہ حصّہ اوّل

امام اعظمؒ اور علم تصوّف

حضرت امام اعظم جسطرح شریعت کے مقتدا تھے اسی طرح طریقت کے بھی پیشوا تھے۔ آپ نے حضرت امام جعفر صادقؓ سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی تصوّف کی حقیقی تعریف کیا ہے مشہور حنفی عالم اور محققِ زمان عالم ربّانی یعنی:-

شریعت اور تصوف کے شہسوار اور ان دونوں چیزوں کے مسلّم رہنما ہزارہ دوم کے مجدد حضرت شیخ احمد سرہندیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"شریعت کے تین جزو ہیں۔ علم و عمل، اخلاص، جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں۔ شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت حاصل ہو گئی تو رضائے باری تعالیٰ حاصل ہو گئی، اور یہی دُنیا و آخرت کی تمام سعادتوں سے افضل ہے۔[1]"

تصوف کی اصل یہ ہے جس کو آج کل کی اصطلاحات نے کیا سے کیا بنا دیا ہے۔

بیعت یا صحبت تصوّف کے باب میں صحبت کو بڑا دخل ہے اگر یہ حاصل نہ ہو تو شاید کچھ بھی حاصل نہ ہو، اسی صحبت کی وجہ سے حضرات صحابہؓ اس اعزاز کے مستحق ہوئے ہیں۔

"رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ" — اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

یہی اعزاز حضرات تابعین کو ملا:

"والذین اتبعوھم — اور جنہوں نے صحابہؓ کی نیکیوں

---

[1]: مکتوب ۳۶، دفتر اوّل۔

باحسان ورضی اللہ عنہم   بھی اتباع کی، اللہ ان سے
ورضوا عنہ"   راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے
راضی ہو گئے۔

اسی صحبت کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام صدیقیت پر فائز ہوئے۔ اور اسی وجہ سے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقام جذب و فنا حاصل ہوا۔ غرض کہ صحبت کو تبدیل احوال اور تربیت اخلاق میں بڑا دخل ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی مبارک زمانہ (خیر القرون) ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، اور اسی میں پلے بڑھے، اور اسی دور میں وفات پا گئے۔ لہذا حضرات صحابہؓ کی صحبت ان سے ملاقات، اسی طرح جلیل القدر تابعینؒ کی صحبتیں اور ان سے ملاقات جس قدر امام صاحبؒ کو حاصل ہوئیں کسی دوسرے کو شاذ ہی حاصل ہوں گی...

..... اب ہم امام صاحبؒ کے تصوّف کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یعنی اُن اجزاء تصوّف کو بیان کرتے ہیں جو تصوّف کی روح ہے۔

کثرتِ عبادت

امام صاحبؒ کے تذکرے ایسے واقعات سمیٹے ہوئے ہیں کہ جن کی وجہ سے آج قلوب کو نورانیت، طمانیت حاصل ہوتی ہے، ان میں سے چند روایتوں کو اس جگہ پیش کیا جارہا ہے:۔

۱۔ حضرت امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ رمضان المبارک میں ۶۰ قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔ ایک دن اور ایک رات میں،

۲۔ حضرت امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضرت امام صاحبؒ کو دیکھا کہ انہوں نے نماز میں صرف اسی ایک آیت پر پوری رات گذاری۔ آیت یہ ہے: "بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھیٰ وامر"

۳۔ حضرت محارب بن دثارؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ اچھا شب بیدار نہیں دیکھا۔

۴۔ حضرت ابو عاصم نبیل رح کہتے ہیں کہ امام صاحب رح کو قیام صلوٰۃ اور کثرت عبادت کی وجہ سے میخ کہا جاتا تھا،

۵۔ حضرت سفیان بن عیینہ رح کہتے ہیں: کہ ایام حج میں مکہ معظمہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رض سے زیادہ نماز پڑھنے والا نہیں آیا۔

۶۔ حضرت یحییٰ بن ایوب زاہد رح کہتے ہیں کہ امام صاحب رات کو نہیں سوتے تھے۔

۷۔ حضرت اسد بن عمر رح کہتے ہیں: کہ حضرت امام ابو حنیفہ رح نے چالیس سال تک عشاء کی وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے۔ آپ اکثر ایک ہی رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ حضرت ابن مبارک رح نے بھی اس روایت کی تائید کی ہے۔

۸۔ حضرت امام ابو یوسف رح فرماتے ہیں: کہ حضرت امام صاحب رح نے پورا قرآن شریف وتر میں ختم کیا ہے۔

۹۔ حضرت حسن بن عمارہ رح کہتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ حضرت امام ابو حنیفہ رض پر رحم فرمائے کہ انہوں نے تیس سال تک نہ افطار کیا اور نہ چالیس سال تک رات کو بستر سے کمر

لگائی۔

۱۰۔ حضرت ابو زاہدؒ کہتے ہیں: کہ ایک دفعہ میں نے حضرت امام صاحبؒ کے ساتھ ان کی مسجد میں عشاء کی نماز پڑھی جب سب لوگ چلے گئے تو میں ایک طرف کو ہو کر بیٹھ گیا، تو امام صاحب نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہوگئے جب آپ اس آیت کریمہ پر پہونچے:

"فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ۔"

تو اسی کی تکرار فرماتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

۱۱۔ حضرت یزید بن کمیتؒ کہتے ہیں: کہ ایک دفعہ میں نے اور حضرت امام صاحبؒ نے عشاء کی نماز علی حسن مؤذن کے پیچھے پڑھی۔ اس نے سورہ " اذا زلزلت الارض..... کی قرأت کی نماز کے بعد سب لوگ تو چلے گئے لیکن حضرت امام صاحب اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ٹھنڈی سانسیں لیتے رہے۔ میں آپ کی توجہ ہٹ جانے کے خیال سے اٹھ کر چلا گیا، اور روشنی کا قندیل (لالٹین) وہیں چھوڑ آیا۔ لیکن چونکہ اس میں تیل کم تھا اس لئے اس کی روشنی دھیمی کردی تھی جب میں صبح ہوتے ہی پہونچا تو آپؒ (امام صاحب) اپنی ریش مبارک پکڑے ہوئے رو رہے تھے اور فرما رہے تھے:۔

"اے وہ ذات! جو لوگوں کو ذرہ ذرہ نیکیوں کا بدلہ دے گی۔ نعمان، اپنے بندے کو آگ سے محفوظ رکھ، اور اپنی رحمت میں چھپالے۔"

۱۲۔ امام صاحبؒ تہجد کی نماز کے لئے بہترین کپڑے پہنا کرتے تھے اور اس کو خوشبو میں خوب بسالیتے تھے۔

۱۳۔ آپ ہمیشہ باوضو رہا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں:۔ "نماز کا کوئی وقت ایسا نہیں آیا جس میں، میں باوضو نہ ہوں۔"

۱۴۔ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت امام صاحبؒ کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک آدمی آپ کو دیکھ کر فرمایا: "یہ ابو حنیفہ ہیں، رات بھر بیدار رہتے ہیں" اس کے بعد امام صاحبؒ پوری رات نماز اور دعا میں گذار دیتے تھے۔"

۱۵۔ حضرت مسعر بن کدامؒ کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے ایک "قاری" کو قرآن پڑھتے سنا تو مجھے بہت اچھا معلوم ہوا اور میں بیٹھ کر سننے لگا۔ میرا خیال تھا کہ یہ قاری ایک منزل پڑھ کر ختم کر دے گا، مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ایک ہی رکعت میں پورا ختم کر دیا۔ میں نے قریب جا کر دیکھا تو وہ حضرت ابو حنیفہؒ تھے۔ ☆

امام صاحب کے اوقات

آپ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھ جاتے تھے۔ (ارد گرد شاگردوں کا مجمع ہوتا تھا) اور درس کا سلسلہ شروع فرما دیتے تھے، درمیان میں اگر باہر سے آنے والا کوئی سوال کرتا تو آپ جواب دے دیتے تھے۔ اس کے بعد مجلسِ تدوینِ فقہ منعقد ہوتی جس میں بڑے بڑے علماء شریک ہوتے تھے۔

ظہر کی نماز پڑھ کر آپ گھر تشریف لے جاتے، اور ظہر سے لیکر عصر کے وقت تک آرام فرماتے، تھوڑی دیر کے لئے آپ اپنی دوکان پر بھی تشریف لے جاتے، اسی طرح آپ مریضوں کی بھی عیادت بھی کرتے اور دوستوں سے ملاقات بھی۔ مغرب کی نماز کے بعد پھر پڑھانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ جاڑوں میں عشاء کی نماز سے پہلے سو جاتے تھے اور پھر عشاء کی نماز پڑھتے اس کے بعد پھر نہ سوتے تھے۔

محمد بن فرات رح کہتے ہیں: کہ امام صاحب رح جمعۃ المبارک کے دن جمعہ سے قبل بیس رکعات نفل پڑھا کرتے تھے ____

ابو اسمٰعیل رح کہتے ہیں: ۔ آپ رح جمعۃ المبارک کی نماز کے بعد چھ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ ٭

زہد و تقویٰ

لغت میں تقویٰ کے معنی نفس کو ہر اس چیز سے بچانا ہے جو مضر یا نقصان دہ ہو، کبھی کبھی تقوے کو خوف اور خوف کو تقوے کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ لسانِ شریعت میں نفس کو ہر اس چیز سے بچانا جو گناہ کی طرف موصل ہو یعنی ممنوعات سے پرہیز کرنا، لیکن اس کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب مباحات سے بھی پرہیز کیا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

"الحلال بین والحرام بین ومن ارتع حول الحمی یحقیق ان یقع فیہ" (الحدیث)	حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی اور چراگاہ کے گرد جو چرائے گا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس میں مبتلا ہو جائے گا۔

دوسری حدیثِ مبارک میں اسی کو امورِ مشتبہات سے تعبیر کیا ہے ان احادیثِ مبارکہ کی موجودگی میں علمائے اسلام نے تقوے کے تین مرتبے مقرر کئے ہیں :-

۱= ادنیٰ ، ۲= اوسط ، ۳= اعلےٰ :

ادنیٰ درجہ کا تقویٰ ایمان لانا ہے کہ اس کی وجہ سے دوزخ کے عذاب سے رہائی ہوگی۔ اوسط درجہ یہ ہے کہ ہر اس

چیز کو ترک کر دیا جائے جس کے ارتکاب سے آدمی گنہگار بن جائے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ باطن کو ہر اس چیز سے محفوظ رکھا جائے جو ماسوی اللہ میں مشغول کرے یہ تقویٰ کا حقیقی درجہ ہے۔

یک چشم زدن غافل ازآں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں:۔

"ممنوعات سے پرہیز کرنا اور باز رہنا ہی حقیقت تقویٰ ہے اور دین کی اصل بنیاد ہے۔"

اس کے علاوہ بکثرت آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تقوے کی فضیلت کے متعلق موجود ہیں۔ قرآن پاک نے جگہ جگہ اسی کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب قرار دیا ہے۔

اب امام صاحبؒ کے متعلق چند اقوال کو پیش کیا جا رہا ہے جن سے معلوم ہوگا کہ امام صاحب کا تقویٰ کس درجہ کا تھا۔:۔

اقوال اور رائیں

حضرت یحییٰ بن سعید القطانؒ کہتے ہیں کہ ہم بہت سے حضرات کے پاس بیٹھے اور بہت سے حضرات کو دیکھا۔ لیکن ہم نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا آدمی نہ دیکھا اور نہ

سُنا، میں نے ان کو دیکھتے ہی جان لیا تھا کہ وہ متقی ہیں:۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں کہ میں کوفہ میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا: کہ یہاں سب سے بڑا عالم، سب سے بڑا زاہد، سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ تو سب باتوں میں سب نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا نام لیا۔

۳۔ حضرت قیس بن ربیعؒ کہتے ہیں: امام صاحبؒ بہت بڑے متقی ہیں، وہ لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ احسان کرتے تھے، لیکن ان کے ہمعصر اُن سے حسد رکھتے تھے۔

۴۔ یزید بن ہارونؒ فرماتے ہیں: کہ میں ایک ہزار شیوخ سے علم سیکھا۔ لیکن امام صاحبؒ سے زیادہ متقی اور کم گو میں نے کسی کو نہیں پایا۔

۵۔ ابنِ عیینہؒ کہتے ہیں: کہ میں نے امام صاحبؒ سے زیادہ کسی کو متقی نہیں دیکھا۔

۶۔ ابراہیم بن عکرمہؒ کہتے ہیں: کہ میں نے امام صاحبؒ سے زیادہ متقی اور فقیہ کسی کو نہیں دیکھا۔

۷۔ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں: کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اپنے علم، تقویٰ اور فقہ کی وجہ سے، ہم سب پر غالب رہتے تھے۔

۸ — عبدالرحمن بن عائش رحؒ کہتے ہیں: کہ ہم نے امام صاحبؒ جیسا متقی نہیں دیکھا۔

۹ — وکیع رحؒ کہتے ہیں: کہ حدیث میں جس قدر تقویٰ امام صاحبؒ اختیار کرتا تھا ہمیں میسر نہیں ہوا۔

۱۰ — احمد بن بدیل رحؒ کہتے ہیں: کہ میں نے عبشر کو کہتے سُنا ہے کہ میں نے حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا قائم اللیل اور صائم النہار نہیں دیکھا۔

۱۱ — معروف بن بکیر رحؒ کہتے ہیں: کہ جو امام صاحبؒ کو دیکھ لیتا تھا وہ یقین کر لیتا تھا کہ یہ خیر ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے۔

۱۲ — امام محمد رحؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام صاحبؒ اتنے بڑے انسان تھے کہ ان سے علم، تقویٰ، سخاوت وغیرہ کے پہاڑ بنائے جا سکتے ہیں۔

۱۳ — ابن ابی لیلے رحؒ کہتے ہیں کہ دُنیا کے دروازے ہمارے لئے بھی کھلے اور امام صاحبؒ کے لئے بھی۔ لیکن امام صاحبؒ نے آخرت کو اختیار کیا اور ہم نے دُنیا کو۔

جامع الصفات | ایک دن ہارون رشیدؒ نے امام ابو یوسفؒ

سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے متعلق سوال کیا تو جواب دیا میں جہاں تک جانتا ہوں کہ امام صاحبؒ کے اخلاق یہ تھے :۔ وہ نہایت پرہیزگار تھے ممنوعات سے بچتے تھے، اکثر چپ رہتے تھے۔ کوئی شخص ان سے سوال کرتا تو جواب دیتے، ورنہ اکثر سوچا کرتے تھے، نہایت فیاض تھے۔ کسی کے پاس حاجت لیکر نہیں جاتے تھے۔ اہل دنیا سے احتراز کرتے اور دنیوی عزت وجاہ کو حقیر سمجھتے تھے، غیبت سے پرہیز کرتے اور ہمیشہ دوسروں کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرتے تھے، بڑے عالم تھے، مال خرچ کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔" ہارون رشیدؒ نے سنکر یہ کہا: صلحائے یہی اوصاف ہوتے ہیں۔ (موفق متفرقاً)

چند واقعات حضرت یحییٰ بن زائدہؒ کہتے ہیں: کہ ایک دن میں نے حضرت امام صاحبؒ کو ایک مکان کے قریب دھوپ میں کھڑے دیکھا۔ میں نے قسم دے کر دریافت کیا: "حضرت! آپ اس دیوار کے سایہ میں کیوں نہیں کھڑے ہو جاتے؟" فرمایا: "اہل خانہ پر میرا کچھ قرض چاہتا ہے، اس لئے میں اس کی دیوار کے سایہ سے منفعت حاصل کرنا مناسب نہیں سمجھتا"، اور فرمایا: میں دوسروں کو اس عمل کا مکلف قرار نہیں ہوں، ہاں! عالم

کو محتاط رہنا چاہیئے۔

ایک دفعہ حضرت امام صاحبؒ نے اپنے شریک حفصؒ بن غیاث کو تجارت کی غرض سے باہر بھیجا اور ایک چیز کے بارے میں فرمایا: اس میں یہ عیب ہے، جب فروخت کرو تو اس کا عیب بھی بتلا دینا۔ اتفاق سے حفص بن غیاث خریدار کو یہ (عیب) بتلانا بھول گئے۔ اور یہ بھی یاد نہ رکھا کہ وہ کس کے ہاتھ فروخت کی ہے۔ جب قیمت امام صاحبؒ کو لاکر دی تو امام صاحبؒ نے اسی چیز کے بارے میں دریافت فرمایا: تو حفص بن غیاث نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ امام صاحبؒ نے فوراً ہی ان کو شرکت سے علیحدہ کر دیا اور کل سامان کی قیمت جو مبلغ تیس ہزار دینا ہوتی تھی، صدقہ کر دی۔

ایک دفعہ ایک بوڑھی عورت امام صاحبؒ کی دوکان پر ایک ریشمی کپڑا خریدنے آئی اور کہا: "یہ کپڑا آپ کو جتنے میں پڑا ہو اتنے کو دے دیجیئے!" امام صاحبؒ نے فرمایا: "اچھا تو آپ اس کے چار درہم دیدیجئے۔" بوڑھیا نے کہا: "آپ کیوں مذاق کرتے ہیں۔" امام صاحبؒ نے فرمایا: "مذاق نہیں کر رہا ہوں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دو کپڑے تھے، دونوں کی قیمت اس قدر تھی ایک میں نے فروخت کر دیا، اب اس

کپڑے کی قیمت چار درہم باقی رہ گئی تھی۔

ایک دفعہ حضرت امام صاحبؒ کو کسی کپڑے کی ضرورت تھی، آپ ایک دوکان دار کے پاس گئے۔ اس نے امام صاحبؒ کو رعایتاً کپڑے کی قیمت ایک ہزار درہم بتلائی۔ امام صاحبؒ نے فرمایا: "یہ کپڑا ایک ہزار درہم کا نہیں بلکہ زیادہ کا ہے۔" اس طرح آپؒ نے اس کو آٹھ ہزار درہم میں خرید کر لائے۔

وظیفہ خوری سے اجتناب

تاریخ گواہ ہے کہ حق گوئی انہیں علماء کے حصّہ میں آئی جنہوں نے اپنے آپ کو وظیفوں، حکام رسی اور عہدوں اور نذرانوں سے محفوظ رکھا۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی صفت کے انسان تھے۔

ایک دفعہ خلیفہ منصور نے امام صاحبؒ کو تیس ہزار درہم نذر کرنا چاہے۔ امام صاحبؒ نے لینے سے انکار کیا اور فرمایا:۔
"میرے گھر میں اتنی جگہ نہیں ہے جو اس کثیر رقم کو اپنے گھر رکھ سکوں۔" جب امام صاحبؒ کا انتقال ہوا تو تقریباً پچپن ہزار روپیہ امانتوں کے نکلے۔ تب خلیفہ منصور نے کہا: کہ "یہ شخص ہمیشہ ہم سے عذر ہی کرتا رہا لیکن بات صحیح تھی۔ اگر امام صاحبؒ کا گھر امانتوں سے خالی ہوتا، تب اس رقم کو رکھتے

ایک دفعہ منصور اور اس کی بیوی میں کچھ رنجش ہو گئی۔ بیوی کو شکایت تھی کہ آپ عدل سے کام نہیں لیتے۔ منصور نے کہا: میں عدل سے کام لیتا ہوں۔ بالآخر اس قضیہ کا حاکم امام صاحبؒ کو مقرّر کیا گیا۔

امام صاحبؒ تشریف لائے۔ بیگم پس پردہ ہو کر بیٹھیں۔ خلیفہ منصور نے دریافت کیا:۔ "ایک آزاد مرد کو کتنے نکاح کرنے جائز ہیں؟" امام صاحبؒ نے فرمایا: "بیک وقت چار۔" خلیفہ نے خاتون سے کہا: "کیا آپ نے سُنا!" خاتون نے جواب دیا: "جی ہاں!"۔ امام صاحبؒ نے فرمایا: "یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب خاوند عدل سے کام لے، ورنہ صرف ایک ہی پر اکتفا کرنا ہوگا۔"

اس کے بعد امام صاحبؒ گھر تشریف لائے، تو پیچھے سے ایک غلام نے حاضر ہو کر چار ہزار درہم کی تھیلی بیگم کی طرف سے پیش کی اور بیگم کی طرف سے سلام بھی پیش کیا۔ امام صاحبؒ نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: "جاؤ! بیگم سے کہہ دینا: کہ "میں نے اپنا فرض منصبی انجام دیا ہے۔"

ایک دفعہ کوفہ کے گورنر ابنِ ہبیرہ نے امام صاحبؒ سے عرض کیا: "حضرت کبھی تشریف لایا کیجیئے۔" امام صاحبؒ نے

فرمایا: "تم سے ملکر کیا کروں گا، آؤں گا تو احسان کرو گے، تو میں تمہارے دام میں آجاؤں۔ اور ناراض ہوئے تو اس میں میری ذلت ہے، جو تمہارے پاس ہے اس کی مجھے حاجت نہیں۔ اور جو میرے پاس (علم) ہے اس کو کوئی چھین سکتا نہیں۔"

مشتبہات سے اجتناب

امام صاحب اکل حلال کے نہایت سختی سے پابند تھے۔ ان پر اگرچہ مندرجہ واقعات سے کافی روشنی پڑ چکی ہے۔ مگر یہاں بھی کچھ ذکر کئے جاتے ہیں:۔

جن ایام میں امام صاحبؒ نظر بند تھے، خلیفہ کے یہاں کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ بلکہ اپنے گھر سے ستو منگا کر کھایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ شہر میں کسی کی بکری گم ہوگئی جب آپؒ کو اس اطلاع ملی تو آپ نے تحقیق فرمائی کہ بکری کتنے دن زندہ رہتی ہے۔ معلوم ہوا سات سال، چنانچہ آپ نے سات سال بکری کا گوشت نہیں کھایا۔

مولٰنا شبلیؒ نے اگرچہ اس کا انکار کیا ہے، لیکن امام صاحب جیسے متقی آدمی کے بارے میں تو کسی کی تنقید کی گنجائش نہیں۔ جبکہ ایسے واقعات آج بھی پائے جاتے ہیں ___ ابھی تو

سال کی بات ہو گی کہ حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی نے چار سال تک دہلی میں رہتے ہوئے سالن سے روٹی نہیں کھائی کیونکہ اس وقت دہلی کے سالنوں میں آم کی کھٹائی ڈالی جاتی تھی۔ اور آم کی بیع فاسد طور پر ہوتی تھی، اسلئے آپنے اجتناب کیا۔

امانتداری

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہایت امانتدار تھے۔ عبدالرحمٰن بن مسعودی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحبؒ سے اچھا امین نہیں دیکھا، ان کا جس وقت انتقال ہوا تو پچپن ہزار کی امانتیں ان کے گھر میں موجود تھیں۔ جن میں سے ایک درہم بھی ضائع نہیں ہوا تھا۔

ابو بکر زرنجری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی امام صاحبؒ کے پاس ستر ہزار۔ یا ایک لاکھ درہم رکھ کر مر گیا، اس کی ایک لڑکی تھی جب وہ بالغ ہوئی تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہ تمام رقم اس لڑکی کے سپرد کر دی۔ (موفق)

حقِ ہمسائیگی

امام صاحبؒ کا ایک پڑوسی تھا۔ دن بھر کی مزدوری سے جو حاصل ہوتا تھا اس کی شراب اور کباب خرید لاتا تھا، اور اپنے دوستوں کو بھی ساتھ لاتا، اور رات بھر اودھم

مچاتا اور خوب گاتا۔ راوی کا بیان ہے ہم نے اس کے اشعار یاد کر لئے تھے۔ ان اشعار میں ایک شعر یہ ہے:۔

اضاعونی وای فتی اضاعوا

لیوم کریھتہ وسداد ثغر!

"یعنے: لوگوں نے مجھے کھو دیا اور کتنے بڑے شخص کو کھو دیا جو لڑائیوں اور رخنہ بندیوں میں کام آتا تھا۔"

امام صاحبؒ نے اس کو چند مرتبہ سمجھایا لیکن باز نہ آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن حکومت کی پولیس اس کو گرفتار کر کے لے گئی اور جیل خانہ میں ڈال دیا۔ امام صاحبؒ کو جب خلافِ معمول اس کے اودھم کی آواز نہ سنائی دی تو دریافت کیا تو لوگوں نے واقعہ بیان کر دیا۔

امام صاحبؒ یہ سن کر بے چین ہو گئے، اور امیر کے پاس گئے آپ کے ساتھ اہلِ مجلس بھی ہو لئے۔ جب دار الامارت کے قریب پہونچے تو امیر کو معلوم ہوا وہ دوڑا ہوا استقبال کے لئے حاضر ہوا۔ امام صاحبؒ نے آنے کی غرض بیان کی۔

امیر نے عرض کیا: "حضرت! کسی خادم کو بھیج دیتے، تب بھی تعمیلِ حکم ہوتی۔"

بہر حال امیر نے جوان اور اس کے ساتھیوں کو آزاد کر دیا۔ امام

صاحبؒ نے اس جوان سے فرمایا :- "دیکھا! ہم نے تجھے ضائع نہیں کیا۔" اس جوان نے امام صاحبؒ کے سر کو بوسہ دیا اور تائب ہو گیا۔ پھر تو اس کی یہ حالت ہو گئی کہ اکثر حلقہ درس میں شریک رہتا۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ نوجوان بھی بعد میں علمائے کوفہ میں شمار ہونے لگا تھا۔ اس شخص کے بارے میں ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ یہ قاضی ابن ابی لیلےٰ کی عدالت میں ایک شخص کے باغ سے متعلق شہادت دینے گیا۔ قاضی صاحب نے دریافت کیا :- "بتلاؤ اس میں کتنے درخت ہیں؟" جب یہ بتلا نہ سکے تو قاضی صاحب نے ان کی گواہی کو رد کر دیا۔ جب انہوں نے امام صاحبؒ سے واقعہ بیان کیا تو امام صاحبؒ نے فرمایا :- "یہ جا کر کہو کہ آپ (قاضی صاحب) بتیس سال سے کوفہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کیا کرتے ہیں، بتلائیے اس میں کتنے ستون ہیں۔" اس نے یوں ہی جا کر کہہ دیا۔ تو ابن ابی لیلےٰ کو حیرت ہوئی۔ اور اس کی شہادت قبول کر لی۔

ایک دفعہ امام صاحبؒ کے ایک پڑوسی نے خواب دیکھا اور وہ اس کی تعبیر دریافت کرنے کے لئے بصرہ امام ابن سیرینؒ کے پاس گیا۔ جب واپس آیا تو امام صاحبؒ نے دریافت کیا :" بھائی!

کہاں رہے؟ ہمیں تو آپ کی طرف سے بہت فکر تھا۔" اس نے واقعہ بیان کیا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا: "سُبحان اللہ! بھائی اطلاع تو کرتے جاتے۔" ٭

سخاوت حضرت امام ابو حنیفہؒ بہت بڑے سخی انسان تھے وہ ہمیشہ ضرورتمندوں کا خیال رکھا کرتے تھے۔ علماء، صوفیاء، فقہاء، طلباء، جلساء اور اہل جوار سب ہی آپؒ کی سخاوت سے فیضیاب ہوا کرتے تھے، آپ نے کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کیا۔ جلیسوں کا خاص طور سے خیال رکھتے تھے اسی وجہ سے آپ کے معاصرین کا قول ہے:۔

"کان اکرم الناس مجالستہ"	ہمنشینی میں وہ نہایت بہترین اور کریم انسان تھے۔

حسین بن سلیمانؒ کہتے ہیں:۔

"ما رأیت احدًا اسخیٰ من ابی حنیفۃ"	میں نے کسی کو امام ابو حنیفہ سے زیادہ سخی نہیں دیکھا۔

حضرت امام صاحبؒ نے اپنے بیٹے حماد کو حکم دے رکھا تھا کہ روزانہ دس درہم کی روٹیاں خرید کر پڑوسیوں کے ہاں پہونچا دیا کرو۔ امام ابو یوسف کو دس سال تک اپنے پاس سے خرچہ

دے کر پڑھایا۔ آپ کو علم اور اہلِ علم کی خدمت کرنے میں بڑی خوشی ہوتی تھی۔ چنانچہ جس دن آپ کے صاحبزادے نے "بسم اللہ" شروع کیا تو آپؒ نے پانچ ہزار درہم معلم کی نذر کئے، اور جس دن سورۂ فاتحہ ختم کی اس دن بھی پانچ ہزار درہم نذر کئے۔ اور معذرت پیش کرتے ہوئے فرمایا:۔

" واللہ لو کان عندی	قسم خدا کی اگر اس سے زیادہ
اکثر من ذالک لدفعتہ	میرے پاس ہوتا تو قرآن کے
تعظیماً للقرآن "	احترام میں وہ بھی پیش کر دیتا

ایک آدمی نے آپؒ سے آکر عرض کیا: میرے ذمہ پانچ ہزار درہم قرض ہیں اور دائن تقاضہ کر رہا ہے۔ آپ اس سے فرما دیجئے کہ وہ مجھے کچھ مہلت دے دے۔ آپؒ نے دائن سے کہا: اس نے جواب دیا: "حضرت! آپ کی وجہ سے اپنا مطالبہ معاف کرتا ہوں۔" امام صاحبؒ نے فرمایا: "نہیں! لیجئے یہ آپ کا مطالبہ ہے" اسی وجہ سے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:۔

" لا یکاد لیسئل حاجتہ	آپ سے جس ضرورت کے متعلق
الا قضاھا۔ "	سوال کیا جاتا آپ اس کو پورا
	کرتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کے ایک دوست آپ سے ملاقات کے لئے

حاضر ہوئے مگر شکستہ حال معلوم ہوتے تھے، جب جانے لگے، تو آپ نے پانچ ہزار درہم پیش کئے۔ اس نے کہا، "حضرت! میرے یہاں بہت کچھ موجود ہے، میں غریب نہیں ہوں۔" تب آپؒ نے فرمایا:۔

"ان اللّٰہ یحب ان یری اثر نعمتہ علیٰ عبدہٖ۔" اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی نعمتوں کا اثر دیکھنا پسند کرتا ہے

ایک دفعہ آپ کے پاس بطور ہدیہ ایک ہزار جوڑے جوتے آئے۔ آپ نے سب اپنے دوستوں، پڑوسیوں اور طلباء میں تقسیم فرمادئے۔ اتفاق سے شام کو اپنے بیٹے حمادؒ کے لئے ضرورت پیش آئی تو آپ نے اس کو بازار سے منگا دیا۔ لوگوں نے دریافت کیا: "حضرت! یہ کیا؟" تب آپؒ نے فرمایا: "کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"اذا اھدیٰ الرجل فجلساءہ شرکاءہ۔" جب کسی آدمی کے پاس کوئی ہدیہ آئے تو اس کے ہمنشین اس کے شریک ہوتے۔

امام صاحبؒ کی عادتِ شریفہ تھی کہ عیدین کے موقعہ پر اپنے دوستوں اور ملنے والوں کے یہاں تحائف بھیجا کرتے تھے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔ غریب بچیوں کی شادیاں اپنے

پاس سے کہا کرتے تھے۔ جب اپنے بچوں کے لئے کوئی چیز لاتے تو
علماء، مشائخ اور پڑوسیوں کے لئے بھی اسی قدر لاتے تھے
بضاعت کے ذریعہ جو نفع آپ کو حاصل ہوا کرتا تھا وہ سب
طلباء اور علماء پر صرف کر دیتے تھے، اگر کوئی آپ کا شکریہ ادا
کرتا تو آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ
ارشادِ مقدس پڑھ کر سنا دیتے :۔

"انما انا خازن اضع حیث امرت۔" میں تو خازن ہوں جہاں کا حکم ہوتا وہیں رکھ دیتا ہوں۔

آپ نے فرمایا: میں چار ہزار درہم سے زیادہ کا کبھی مالک
نہیں ہوا، جو آیا خرچ کر دیا۔ کیونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے فرمایا ہے :۔

"اربعۃ الاف ومادونہا صدقۃ" چار ہزار اور اس سے زیادہ خرچ ہونا چاہیئے۔

یعنی کسی آدمی کو چار ہزار سے زیادہ کی پونجی رکھنا اچھا نہیں
معلوم ہوتا ہے۔ (موفق منفرقا)

سخاوت و مروت

سخاوت کے ساتھ مروت بھی آپ کا خصوصی
وصف ہے چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا: کہ

ایک مرتبہ مجھے ایک ضرورت لاحق ہوئی۔ میں نے آپ کی طرف سے فلاں تاجر کے نام ایک رقعہ لکھا کہ وہ مجھے تیس اشرفیاں دیدے چنانچہ میں اس تدبیر میں کامیاب ہو گیا۔ امام صاحبؒ نے یہ سُنا اور مسکرا دیئے۔

ایک دفعہ ایک شخص کی بیوی نے اس کو بہت تنگ کیا اور کہا: "جاؤ! لڑکی جوان ہے شادی کرنا ہے، فاقوں نے گھر بھر کو پریشان کر دیا ہے۔ امام صاحبؒ سے جاکر کہو وہ ضرور آپ کی مدد کریں گے۔" یہ شخص امام صاحبؒ کی مجلس میں گیا اور واپس آگیا۔ امام صاحبؒ نے قیافہ سے اس کو تاڑ لیا جب یہ شخص چلا گیا تو اس کا گھر معلوم کر کے رات کو دروازہ میں سے پانچہزار درہم کی ایک تھیلی اس کے گھر میں ڈال آئے آپ نے اس تھیلی میں ایک پرچہ بھی لکھ کر رکھ دیا تھا کہ اس کو بلا دریغ خرچ کریں۔ جب ختم ہو جائے پھر خبر کر دیں۔

وقار اور حلم

ان تمام خصوصیات کے ساتھ آپ عالمانہ وقار و حلم کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں:۔

"ابو حنیفہؒ حلیم الطبع انسان تھے۔"

آپ کے بعض معاصرین آپ کے ساتھ نہایت سخت برتاؤ کرتے

تھے لیکن آپ حلم و وقار کی تصویر بن جاتے تھے ۔ ابو معاذ ؒ کہتے ہیں کہ میرا آنا جانا امام سفیان ثوریؒ کی خدمت میں بھی ہوتا تھا اور میں امام صاحبؒ کے حلقہ میں شرکت کرتا تھا۔ سفیان ثوریؒ کو یہ بات ناگوار تھی۔ لیکن امام صاحبؒ کو اس کا احساس بھی نہ ہوتا تھا، امام صاحب کی یہی ادائیں تو تھیں کہ جن کی بناء پر مشائخ وقت ان سے محبت کرتے تھے۔ علامہ مسعر بن کدامؒ فرماتے ہیں:

" قد جمع اللّٰہ فیہ خصا لا شریفۃ "	اللہ تعالیٰ نے ان میں بہترین خصلتیں جمع کر دی تھیں۔

ایک دفعہ مسجد شریف کی چھت ایک سانپ گرا، اور عین آپ کے برابر میں گرا۔ سب لوگ تو اٹھ اٹھ کر بھاگ گئے لیکن آپ بدستور بیٹھے رہے۔ راوی کہتا ہے:۔

" فعرفت انہ صاحب یقین۔ "	میں جان گیا کہ آپ صاحبِ یقین ہیں۔

ایک دفعہ ایک نوجوان آدمی امام صاحب کی مجلس میں حاضر ہوا اور ایک گوشہ میں کھڑا ہو کر زور زور سے آپ پر تنقید کرنے لگا۔ لوگوں کو اس کی اس حرکت پر سخت غصّہ آیا۔ لیکن آپ نے سب کو منع کر دیا کہ اس کو کچھ نہ کہا جائے ۔ جب امام صاحبؒ اپنے دروازے پر پہونچے تو فرمایا: " بھائی! اگر کچھ کمی رہ گئی

ہو تو اور کہہ لو، اب میں اندر جاتا ہوں۔ یہ حلم دیکھ کر وہ آدمی شرمندہ ہوا اور معافی چاہی۔

عمرو بن الہیثم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں شعبہ کا رقعہ لیکر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت عصر کا وقت تھا۔ آپ نے مسجد شریف ہی میں عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں اور بعد عشاء مجھے اپنے ہمراہ لیکر دولت کدہ پر تشریف لائے۔ کھانا کھلایا اور ایک بستر پر مجھے لٹا دیا، اور خود ایک گوشہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی اور تمام رات پڑھتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو مجھے جگایا اور وضو کا پانی لاکر دیا اور مسجد شریف میں تشریف لائے، صبح کی نماز پڑھکر آپ اپنی جگہ بیٹھے رہے ۔۔ اسی اثنا میں ایک سانپ مسجد شریف کی چھت سے آپ کے اوپر گرا اور آپ نے سانپ کے سر پر پیر رکھ دیا اور بیٹھ گئے، جب سورج طلوع ہوا تو آپ نے یہ دعا پڑھی:۔

"الحمد للّٰہ الذی اطلعھا من مطلعھا اللّٰھم ارزقنا خیرھا وخیر ما طلعت علیہ۔"	اس خدا کی تعریف جس نے سورج کو اسکے مطلع سے نکالا، اے اللہ! اس سے ہمیں پر اس نے طلوع کیا ہے بہترین رزق عطا فرما۔

اس کے بعد آپ نے سانپ مارنے کا حکم فرمایا۔ اتنی دیر آپؒ نہایت سکون و وقار سے اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ اشراق کی نماز پڑھ کر آپؒ نے مجھے ایک حدیث پڑھ کر سنائی۔ وہ یہ ہے:۔

" ومن صلی الفجر ولم	جس نے صبح کی نماز پڑھی
یتکلم الا بذکر اللہ تعالیٰ	اور سورج نکلنے تک سوائے
حتی تطلع الشمس کان	ذکر خدا کے اور کچھ زبان سے
کالمجاھد فی سبیل اللہ "	نہ کہا وہ مثلِ مجاہد فی سبیل اللہ
	کے ہے۔ "

ان واقعات سے امام صاحبؒ کے عالمانہ تحمل اور وقار کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

والدین کا احترام!

آپ کے والد محترم کا انتقال تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ البتہ آپ کی والدۂ محترمہ حیات تھیں۔ آپ نے اُن کی بے حد خدمت کی، اور ان کی مرضی کا ہمیشہ احترام کیا۔

چنانچہ محمد بن بشر اسلمیؒ کہتے ہیں کہ کوفہ میں دو ہی شخص سب سے زیادہ والدین کی خدمت کرنے والے تھے۔ ایک منصورؒ کہ وہ اپنی ماں کے سر کی جوئیں چنتے، اور سر دھلاتے، اور دوسرے امام صاحب۔ رحمتہ اللہ علیہم۔

حسن دنوں کوفہ کا گورنر ابن ہبیرہ آپ کو قضا قبول کرنے کے لئے کوڑوں کی سزا دیا کرتا تھا۔ ان دنوں کا ذکر ہے: کہ ایک دن کوڑا آپ کے سر پر لگا، جس کی وجہ سے حضرت امام صاحبؒ کا چہرہ متورم ہوگیا۔ یہ دیکھ کر آپ رو دیئے۔ جلّاد نے کہا، "قضا قبول کرلو، روتے کیوں ہو؟" امام صاحبؒ نے فرمایا: "میں مار کی وجہ سے نہیں روتا، بلکہ اس وجہ سے روتا ہوں، جب میری والدہ محترمہ اس چوٹ کا نشان دیکھیں گی تو اُن کو صدمہ ہوگا۔

کوفہ میں ذرعہ نامی ایک واعظ رہتا تھا۔ امام صاحبؒ کی والدۂ محترمہ ان کی بہت معتقد تھیں۔ ایک دن امام صاحبؒ کی والدہ کو ایک مسئلہ کی ضرورت پیش آئی۔ انہوں نے امام صاحبؒ سے فرمایا: "جاؤ! ذرعہ سے یہ معلوم کرآؤ۔" امام صاحبؒ نے کہا: "اس کا جواب یہ ہے...." والدہ نے کہا، "میں تیرا جواب نہیں مانوں گی۔ ذرعہ سے ہی پوچھ کر آ۔"

آپ گئے، ذرعہ نے کہا: "حضرت! میں آپ کے سامنے کیا مسئلہ بیان کردوں، آپ خود ہی بتلا دیتے۔" امام صاحبؒ نے فرمایا: "یہ والدۂ محترمہ کا حکم ہے۔"

دوسری روایت یہ ہے کہ امام صاحبؒ کی والدہ سواری پر

بیٹھ کر خود امام صاحبؒ کو ساتھ لے کر ذرعہ کے پاس گئیں ۔
تب ذرعہ نے کہا: "حضرت! آپ نے کیا جواب دیا تھا؟" امام صاحبؒ نے فرمایا: میں نے یہ جواب دیا تھا تو ذرعہ نے کہا: آپ نے صحیح فرمایا۔" تب کہیں امام صاحبؒ کی والدہ کو اطمینان ہوا ۔

کوفہ میں ایک واعظ اور تھا جس کا نام عمرو بن ذر تھا۔ امام صاحبؒ کی والدۂ محترمہ ان کی بھی بہت معتقد تھیں۔ ان کے پاس بھی آپ کو اپنی والدہ کے مسائل پوچھنے کے لئے آنا پڑتا تھا۔ اتفاق سے ان کا مکان بہت فاصلہ پر تھا ۔

ایک دفعہ امام صاحبؒ کی والدۂ محترمہ نے کہا: عمرو بن ذر سے یہ مسئلہ پوچھ کر آ ۔ امام صاحبؒ تشریف لے گئے تو عمرو بن ذر نے کہا: "مجھے تو یہ مسئلہ معلوم نہیں، البتہ آپ بتلا دیں۔ میں وہی آپ سے نقل کروں گا۔ پھر آپ اپنی والدۂ محترمہ کو جا کر بتلا دیں امام صاحبؒ نے ایسا ہی کیا ۔ (موفق متفرقاً)

حسنِ سلوک

یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں صاحب کمال سے محبت رکھنے والے ہوتے ہیں، وہاں اس سے بغض وحسد رکھنے والوں کی بھی کمی نہیں ہوتی۔ اسی لئے امام صاحبؒ سے حسد وبغض رکھنے والے بھی کم نہ تھے ـــــ آج امام صاحبؒ کے متعلق غلط روایتیں

اور ناقدانہ اقوال کا وجود اسی بغض وحسد کی کرشمہ سازی ہے احادیث کی متداول کتابوں میں جب ہم امام صاحبؒ کی سند سے کم روائتیں دیکھتے ہیں، تو ہمیں محدثین کرامؒ کے خلاف اپنے جذبات اور خیالات کو دباتے میں بڑے ہی ضبط سے کام لینا پڑتا ہے تب کہیں ہم اپنی سوءظنی کے رُخ کو بدل پلتے ہیں کیونکہ راوی کی اس سند کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ جس میں امام صاحبؒ موجود ہیں، حالانکہ حدیث کا ایک ہی مدار روایت ہے۔ اللہ بہتر جانے کیا معاملہ ہے۔ وہ جانیں اور ان کا کام "لبعض الناس" کہہ کر امام صاحبؒ کو ناقابل اعتناء سمجھنا یہ ان کے اپنے منصب کا تقاضا ہوگا۔ دُنیا تو امام صاحبؒ کو "امام اعظم" ہی سمجھتی آئی ہے اور سمجھ رہی ہے، اور انشاءاللہ یہی سمجھا جائے گا۔ مزید برآں یہ کہ آج امام صاحبؒ کا مسلک دُنیا کے مسلمانوں کا سب سے بڑا مسلک ہے اور فریق مخالف کے کہیں دس بھی مقلد نہیں ہیں۔

جس کو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے

امام صاحبؒ لوگوں کے اس رویہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:۔

"میں نے کبھی کسی کا بُرا نہیں چاہا اور نہ کسی کو بُرائی کے ساتھ یاد کیا اس کے باوجود تم جانتے ہو کہ اہل مکہ نے مجھ سے کیوں بغض ہے؟ کیا! اس کی وجہ یہی تھی کہ میں

بعض مدنی آیات کے ذریعہ بعض مکی آیات کو منسوخ الحکم قرار دیتا تھا۔ اور اہل مدینہ نے مجھ سے یوں بغض رکھا کہ میں نکسیر پھوٹنے اور پچھنے لگوانے سے وضو کو ساقط قرار دیتا تھا، اور ایسی وضو کے ذریعہ نماز کو غیر صحیح قرار دیتا تھا۔ اہلِ بصرہ میرے اس وجہ سے مخالف تھے کہ میں ان کے معرکتہ الآراء مسئلہ قدر کا رد کرتا تھا۔ اور اہلِ شام نے میرے ساتھ اس وجہ سے بغض کو روا رکھا کہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق پر سمجھتا تھا۔ اور اہلِ حدیث میرے اس وجہ سے دشمن ہوئے کہ میں آلِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (حضرت زید بن علی رض، حضرت جعفر صادق رض) کی حمایت کرتا تھا۔"

حضرت یحییٰ بن آدمؒ سے دریافت کیا گیا کہ شریک کو امام صاحبؒ کے اقوال پسند نہ تھے۔ فرمایا: پسند تو کرتے تھے، لیکن حسد کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کرتے تھے۔ قاضی ابن ابی لیلیٰؒ کا یہ حال تھا کہ امام صاحبؒ کو دیکھ نہیں پاتے تھے۔ اسی بناء پر امام صاحبؒ فرماتے ہیں:۔ "ابن ابی لیلیٰؒ میرے ساتھ اس سلوک کو روا رکھتے ہیں جو اپنی بلی کے ساتھ بھی روا نہیں رکھتے۔" لیکن امام صاحبؒ ان حالات اور واقعات کے باوجود اپنے معاصرین کے

ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے اور اپنی عنایات سے کسی کو محروم نہ رکھتے ۔ حسن سلوک کا یہ مقام نہایت بلند مقام ہے ۔ مخالفوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے اس عنوان کو ہم یہیں چھوڑتے ہیں ، اور ان شرمناک واقعات کا تذکرہ کر کے گندگی اچھالنا پسند نہیں کرتے ۔ ع

خدا مجنوں کو بخشے مر گیا ، اور ہم کو مرنا ہے

یہ چند سطریں حضرت امام اعظمؒ کے اخلاق و عادات اور عملی کمالات کے متعلق تحریر کی گئی ہیں ، جن سے یہ امر بخوبی واضح ہے کہ امام صاحبؒ اعمال اور اخلاق میں بھی نہایت کامل انسان تھے یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے انہیں نہایت مکمل ترین علم عنایت فرمایا تھا ۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :۔

" من عمل بما یعلم اتاہ اللہ علم مالم یعلم " جس نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا اللہ تعالیٰ اسے وہ علم عطا کرتا ہے کہ وہ ابتک نہیں جانتا تھا ۔

چنانچہ امام صاحبؒ پر فیضان الٰہی تھا کہ ان کو ایسا علم عطا ہوا کہ جس کی وجہ سے بقول امام شافعیؒ صاحب بقیہ امت ان کی عیال ہے ۔ حدیث ، تفسیر ، فقہ ، علم کلام ، قرأۃ ، نحو ، صرف

عربیت وغیرہ میں ایسے ایسے نکات پیدا کئے کہ آج دنیا محوِ حیرت ہے، مناظروں میں انہوں نے اپنے حریفوں کو انہیں کے الفاظ میں شکست دی۔ یہ سب کچھ عطیہ اور فیضانِ الٰہی ہے، جو حق سبحانہ تعالیٰ نے ان کی عملی زندگی اور بندگی سے خوش ہو کر ان پر نازل کیا ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

وجہ اس کی غالباً یہ ہے کہ عمل کی وجہ سے انسان کے قلب کو نورانیت اور روح کو تقویت حاصل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس کا تعلق حق سبحانہ تعالیٰ سے قریب تر اور قوی تر ہو جاتا ہے۔ اسی قربت کی وجہ سے اس کو وہ تمام کمالات تفویض ہو جاتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے یہاں سب کے سب محبوب اور پسندیدہ ہوتے ہیں، اور ان ہی میں سے علم بھی ایک ایسا کمال ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک تمام کمالات میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور علی ہے۔

امام صاحبؒ کے حالات اور اخلاقیات کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک غیر جانب دار آدمی پر یہ بات روزِ روشن کی طرح کھل جاتی ہے کہ امام صاحبؒ کی عملی اور علمی دونوں زندگیاں

عطیہ الٰہی کا بہترین نمونہ ہیں، جنہوں نے امام صاحبؒ کو اس نظر سے دیکھا وہ خود مقبولِ بارگاہ ہوئے۔ اور جنہوں نے امام صاحبؒ سے حسد و بغض کیا، اور تنقید سے کام لیا۔ آج تاریخ عالم کے صفحات پر ان کے واقعات دوسروں کے لئے عبرت بنے ہوئے ہیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ آج امام صاحبؒ کا مسلک اور ان کے نام لیوا اسی فرش زمین پر کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ اور حاسدین و ناقدین کے قول و مسلک پر دس مسلمان بھی نماز پڑھنے والے شاید مشکل سے دستیاب ہو سکیں گے ؎

جس کو رکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ واعد لہم جنّٰت تجری تحتہا الانہر خالدین فیہا ابدًا "	اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور اللہ نے انکے لئے باغیچے تیار کر رکھے ہیں کہ جنکے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہینگے۔"

وصیّت حضرت امام اعظمؒ

یہ وصیّت حضرت امام ابوحنیفہؓ نے امام ابویوسفؒ کو آخری وقت میں فرمائی تھی ــــ علامہ ابنِ نجیمؒ نے اپنی کتاب "الاشباہ والنظائر" میں اس کو ذکر کیا ہے۔ اسی جگہ سے اس پورے وصیّت نامہ کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے ــــ علامہ شبلیؒ نے بھی اپنی کتاب "سیرت النعمان" میں اس وصیّت کو ذکر کیا ہے۔ لیکن وہ وصیّت نامہ مکمل نہیں ہے۔

امام صاحبؒ نے فرمایا: "اے یعقوب! (ابویوسف کا نام) بادشاہ کی عزت کر، اور اس کو بڑا سمجھ اور بادشاہ کے سامنے جھوٹ بولنے اور بے جا وقت اس کے پاس آنے جانے سے گریز کر، ہاں ضرورت کے وقت کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ کثرت آمد و رفت سے وہ تجھ سے بے پرواہی برتے گا اور تجھے حقیر سمجھے گا، تو اس سے اس طرح منتفع ہو جس طرح آگ سے (بقدر ضرورت انتفاع کیا جاتا ہے) اس وجہ سے کہ بادشاہ جیسا اپنے آپ کو سمجھتا ہے دوسرے کو خیال نہیں کرتا۔ اور بادشاہ کے سامنے کثرت کلام سے

گریز کرنا کیونکہ وہ اس پر گرفت کر سکتا ہے، اس صورت میں وہ اپنے حاشیہ نشینوں کے تئیں اپنے کو اعلم اور تجھے مخطی اور کم درجہ کا ثابت کر دے گا۔ جس وقت بادشاہ کے پاس ہو تو یہ ملحوظ خاطر رہے کہ وہ تیرے اور غیر کے مرتبہ میں امتیاز کرنے والا ہو ایسے وقت نہ داخل ہونا کہ اس کے پاس ایسے اہل علم ہوں جو تیرے مقام سے ناآشنا ہیں۔ اگر وہ تجھ سے کم درجہ ہیں تو اپنے آپ کو بڑے درجہ کا ثابت کریں گے اور تجھے نقصان پہونچائیں گے اور تجھے بادشاہ کی نظر سے گرانے کی کوشش کرینگے۔

جس وقت بادشاہ اپنے معاملات میں سے کوئی معاملہ تیرے سامنے پیش کرے تو یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اس وقت اپنی رائے ظاہر کرنا کہ علم اور حکم میں وہ تیرے مذہب اور فیصلے کو پسند کرے ورنہ حکومت کے معاملے میں تمہیں غیر کے مسلک پر عمل کرنا پڑ جائے گا۔ بادشاہ کے احباب اور خدام سے دوستی قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں وقتِ ضرورت ان سے ملاقات میں کچھ حرج نہیں ہے لیکن خداموں سے دوری ہی بہتر ہے۔ اس طرح تمہارا وقار باقی رہے گا۔

عوام کے سامنے قطعاً کلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں! جتنا وہ تم سے دریافت کریں۔ کیونکہ وہ زیادہ کلام سے وہ یہ

محسوس کریں گے کہ کہیں تم ان کے سوال کی طرف تو راغب نہیں ہو، اور رشوت تو نہیں لینا چاہتے ہو؟ عوام کے سامنے زیادہ ہنسنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے۔ بازاروں میں بھی زیادہ نہیں جانا چاہیئے اور امرد لڑکوں سے کبھی بات نہ کرو، کیونکہ وہ فتنہ ہوتے ہیں۔ ہاں بچوں سے کلام کرنے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرنے میں مضائقہ نہیں۔

مشائخ اور عوام کے ساتھ سڑکوں پر کبھی نہ چلو، اگر تم ان سے آگے چلے تو ان کی تحقیر، اور وہ تم سے آگے چلے تو تمہاری تحقیر ہوگی۔ کیونکہ وہ عمر میں تم سے بڑے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ مقدس ہے:۔

"من لم یرحم صغیرنا	جس نے ہمارے چھوٹوں پر
ولم یوقر کبیرنا لیس	شفقت اور بڑوں کی تعظیم
منا۔"	نہ کی ہم میں سے نہیں ہے۔

دیکھو! شاہراہ پر ہرگز نہ بیٹھنا، ہاں اگر ضرورت ہو تو مسجدوں میں بیٹھو۔ بازاروں اور مسجدوں میں کھانے پینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ سقایہ سے سقوں کے ہاتھ سے پانی نہ پینا (کیونکہ معلوم نہیں کہ سقایہ میں کچھ پڑا ہو، یا پانی زیادہ دنوں سے ٹھہرا ہو)۔

دیکھو! دوکان پر نہ بیٹھو۔ اور زیورات اور ریشمین کپڑے نہ پہنو کیونکہ اس سے رعونت پیدا ہوتی ہے۔

وقت فراش اپنی بیوی سے زیادہ بات چیت نہ کرو، ہاں بقدر ضرورت مضائقہ نہیں، اس سے زیادہ بوس و کنار بھی نہ کرو۔ ہاں اس سے صحبت کرو، تو اللہ کا نام لیکر کرو۔ اپنی عورت کے سامنے غیر عورت کا تذکرہ نہ کرو، کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ غیر مردوں کا تذکرہ تمہارے سامنے شروع کردے گی۔ بیوہ اور ماں باپ، ہاں بچے والی عورت سے نکاح مت کرو، مگر اس کے ساتھ کہ اس کے اقارب تمہاری اجازت سے تمہارے گھر آجاسکیں (کیونکہ عام طور سے ایسی عورت کو دوسرے خاوند سے زیادہ ہمدردی نہیں ہوتی، لہٰذا وہ اس کے گھر کا سامان اپنے ماں باپ اور اولاد کو چوری سے دے دیگی) اور حتی الامکان اپنی سسرال میں بھی نہ رہو۔ خبردار! اپنی سسرال میں اپنی بیوی سے ہرگز صحبت نہ کرنا، کیونکہ تم اس صورت میں پیچ جاؤ گے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا کر تمہارا مال مفت میں اڑائیں گے۔ خبردار! اولاد والی عورت سے ہرگز شادی نہ کرنا، کیونکہ وہ تمہارا سب مال ان کو کاٹ کاٹ کر دیدے گی کیونکہ تم سے زیادہ اسے اپنی اولاد محبوب ہوگی۔

ایک گھر میں دو سوکنوں کو کبھی نہ رکھنا۔ اس وقت تک نکاح نہ کرنا جب تک تم اس قابل نہ ہو جاؤ کہ اس کی (بیوی) تمام ضروریات زندگی پوری نہ کرسکو۔ پہلے علم طلب کرو پھر حلال طریقہ سے مال جمع کرو اور پھر شادی کرو، اس لئے کہ اگر تحصیلِ علم کے وقت تم نے مال فراہم کرنا شروع کردیا تو تحصیل علم سے رک جاؤ گے۔ اپنے مال سے باندیاں غلام نہ خریدو کیونکہ پھر تم ان کی ہی الجھنوں میں پھنس جاؤ گے، اور تمہارا وقت ضائع ہوگا اور علم سے کورے رہ جاؤ گے۔ عنفوانِ شباب میں فارغ القلب ہوکر علم حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اور ادائے امانت اور ہر خاص و عام کو نصیحت کرنا، اپنے اوپر لازم کرلو۔ کسی انسان کو ذلیل اور اپنے کو باعزت نہ سمجھو، عوام سے زیادہ اختلاط نہ رکھو، البتہ بقدر تعلیم و تعلم کچھ حرج نہیں اس لئے کہ اگر کوئی ان میں سے اہل ہے تو تحصیل علم میں لگ جائے گا ورنہ تم سے محبت کرنے لگے گا عوام سے امور دینیہ میں مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے جب کبھی تم سے کوئی فتوے دریافت کرے تو بقدر سوال جواب دو، ضرورت سے زیادہ نہ بتلانا۔ اگر تم دس سال بھی غریب اور فاقہ مست رہو تو علم سے ہرگز اعراض نہ کرو۔ کیونکہ اس

صورت میں تمہاری زندگی تنگ ہو جائے گی۔ جو طلباء تم سے فقہ حاصل کریں ان سے اولاد کی طرح برتاؤ کرنا، کیونکہ اس سے ان کی رغبت فی العلم زیادہ ہو گی۔ عوام اور بازاری لوگوں سے ہرگز جھگڑا نہ کرو۔ اس سے تمہاری عزت ریزی ہو گی۔ حق بات کہنے سے بادشاہ کے سامنے بھی نہ چوکو۔ جب تک تم دوسروں سے زیادہ عبادت نہ کرو، اپنے نفس پر مطمئن نہ ہونا، اس لئے کہ عوام تمہیں زیادہ کرتے نہ دیکھیں گے، تو خیال کریں گے کہ تمہیں اپنے علم سے اتنا فائدہ نہ ہوا، جتنا انہیں اپنے جہل سے ہو گیا۔

جب تم اہل علم کی بستی میں جاؤ تو اس بستی کو اپنے لئے مخصوص نہ کر لینا کہ تم ہی تنہا اس میں صاحبِ اقتدار رہو، بلکہ اور اہل علم کی طرح رہو تاکہ وہ خیال کریں کہ تم ان کے مراتب سے کوئی غرض نہیں ہے، ورنہ وہ سب ملکر تمہیں نکالنے کی کوشش کریں گے اور تمہارے مسلک میں طعن کرنا شروع کر دیں گے اور تم بلاوجہ مطعون ہو کر رہ جاؤ گے اگر تم سے وہ استفتاء کریں تو جواب بلا دلیل بیان نہ کرو، ان کے اساتذہ میں کبھی عیب نہ نکالو۔ عوام سے پرہیز اور اللہ تعالیٰ سے ظاہراً و باطناً یکساں معاملہ رکھو، کیونکہ ایسا کرنے سے

تمہارے اندر قابلیتِ علم پیدا ہوگی۔

بادشاہ تمہارے سپرد جب کوئی کام کرے تو اس وقت تک اس کو قبول نہ کرو جب تک اس کی قابلیت تمہارے اندر نہ ہو، جہاں نظر لگنے کا اندیشہ ہو کلام نہ کرو۔ کیونکہ اگر نظر لگ گئی تو کلام میں خلل پیدا ہو جائے گا اور زبان بوجھل ہو جائے گی۔ کثرتِ ضحک سے پرہیز کرو، کیونکہ اس سے قلب مر جاتا ہے۔ راستہ میں وقار اور طمانینت سے چلو، امور میں جلد بازی نہ کرو۔ جو تمہیں پیچھے سے پکارے جواب نہ دو، کیونکہ چوپاؤں کو پیچھے سے پکارا جاتا ہے۔ جب کلام کرو تو چیخ کر اور بلند آواز سے نہ کرو، اور نہ زیادہ حرکت ہی کرو (جیسا کہ عام طور پر واعظین کی عادت ہاتھ پھینکنے کی ہوتی ہے)۔

لوگوں کے درمیان کثرت سے ذکر اللہ کرو۔ نماز کے بعد بھی کچھ وظیفہ پڑھا، خصوصاً تلاوتِ قرآنِ پاک۔ ہر حال میں اللہ تبارک و تعالیٰ کو یاد رکھو، اور اس کا شکر ادا کیا کرو، کہ اس نے تمہیں صبر اور شکر اور دوسری نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ ہر مہینے چند دن روزے بھی رکھا کرو، تاکہ لوگ تمہاری اتباع کریں۔ نفس سے محاسبہ کرتے رہو۔ دوسروں کی حفاظت کرو،

تاکہ وہ تمہاری دنیا اور آخرت سے نفع اندوز ہو سکیں، ورنہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں تم سے سوال ہو جائے گا۔ اپنے آپ کو سلطان کا مقرب ظاہر نہ کرو، کیونکہ اس صورت میں لوگ اپنی ضرورتوں کا تمہارے پاس ڈھیر لگا دیں گے، اگر تم ان کے پورا کرنے کی سعی کرو گے تو تمہاری توقیر ہو گی، اور اگر نہ پوری کر سکے تو لوگ تمہارا تمسخر کریں گے۔

خطا میں لوگوں کی اتباع مت کرو، بلکہ صواب میں کرو۔ جب یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص شر پر ہے تو اس کے سامنے شر کا تذکرہ مت کرو بلکہ خیر کا تذکرہ ہو۔ ہاں! دین کے معاملہ میں تم لوگوں کو خبردار کر دو، تاکہ لوگ اس سے بچنے لگیں اور اس کی اتباع کریں۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ مقدس ہے:۔

"اذکروا الفاجر بما	فاجر میں جو عادتیں ہوں
فیہ حتیٰ یحذرہ الناس	اسکو ظاہر کردو تاکہ لوگ اس
وان کان ذا جاہ و	پرہیز کریں، اگرچہ وہ فاجر
منزلۃ۔"	صاحبِ اقتدار ہی کیوں نہ ہو۔

اس لئے کہ اللہ رب العزت تمہارا اور دین کا ناصر و مددگار ہے اگر ایک مرتبہ ایسا کر دیا تو فجار تم سے ڈرنے لگیں گے اور کوئی

بھی اظہارِ بدعت پر دلیری نہ کر سکے گا۔ جب تم اپنے بادشاہ سے اپنے علم کے خلاف امر دیکھو تو اس کی اطاعت ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے بیان کر دو، کیونکہ اس کا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے قوی ہے۔ یوں بیان کرو کہ آپ حاکم ہیں اور ہم آپ کے تابع ہیں لیکن میں آپ کی ایک خصلت دیکھتا ہوں کہ جو علم دین کے موافق نہیں معلوم ہوتی ہے۔ پس اگر ایک مرتبہ بھی کہہ دیا ہے تو کافی ہے ورنہ بار بار ٹوکنے کی وجہ سے وہ تم پر غصہ ہو جائے گا جب تم ایک دو مرتبہ روک ٹوک کرنا چاہتے ہو تو تنہائی میں اس کے پاس جا کر نصیحت کرو، اگر اس کا رجحان طبع بدعت کی طرف مائل پاؤ تو کچھ مہلت دو اور کتاب و سنت سے متعلق تمہارے پاس جو علم ہے اس پر پیش کر دو۔ اگر وہ تم سے قبول حق کر لے تو فبہا، اور اگر انکار کر دے تو اللہ سے سوال کرو کہ وہ تمہاری حفاظت کرے۔

موت کو یاد رکھو، اپنے استاذ کے لئے استغفار کرتے رہو، تلاوتِ قرآن پر مداومت اور مقابر اور متبرک مقامات کی زیارت اکثر کرتے رہو۔ عوام الناس میں سے جو رویائے صالحہ دیکھیں یا خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھیں اس کو رد نہ کرو۔ فساق و فجار کے پاس نہ بیٹھو، ہاں تبلیغ دین کے

لئے مضائقہ نہیں ہے۔ کھیل کود اور سب وشتم سے پرہیز کرو۔
جب مؤذن اذان دے تو مسجد شریف کے لئے تیاری کرو تاکہ
عوام تم سے اس معاملہ میں سبقت نہ لے جائیں۔ بادشاہ کے
پڑوس میں مکان نہ بنانا، پڑوسی کی عیب پوشی کرنا، لوگوں
کی پوشیدہ باتیں ظاہر نہ کرنا، جو تم سے مشورہ طلب کرے تو
اپنے علم کے مطابق دینا۔

حضرت امام اعظمؓ نے فرمایا:۔

میری وصیت کو قبول کرو، اس کے ذریعہ موجودہ اور آنے
والوں کو فائدہ پہونچے گا (انشاء اللہ تعالےٰ)۔

فرمایا بخل سے پرہیز کرو، اس کے سبب سے مبغوض ہو جاتا
ہے۔ جھوٹے اور لالچی نہ بنو، بلکہ اپنی مروتوں کا تمام امور میں
خیال رکھو۔ سفید لباس پہنو۔ اپنے کو حریص نہ ہونے کے لئے اپنے
آپ کو ہر وقت غنی ظاہر کرو اگرچہ تم فقیر ہی کیوں نہ ہو۔ صاحب
ہمت بنو، اس لئے کہ دون ہمت کا مرتبہ کمزور ہوتا ہے۔
جب راستہ میں چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو، بلکہ نظر کو زمین پر
قائم رکھو۔ جب حمام میں داخل ہو (یا مزدوروں سے کوئی کام
کراؤ) تو اجرت میں اور لوگوں کی مساوات نہ کرو بلکہ دستور سے
کچھ زیادہ دو، تاکہ تمہاری شرافت ظاہر ہو اور وہ تمہاری عزت کریں

کوئی چیز پیشہ ور اور دستکار کے سپرد نہ کرو بلکہ اس کے پاس رکھو جس پر تمہیں اعتماد ہو۔ غلہ وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی نہ کرو۔ درہم و (دنانیر کو نہ تولو) روپیہ پیسہ کو شمار نہ کرو، بلکہ دوسروں پر اعتماد رکھو، دنیا کی اہلِ علم کے لئے تحقیر کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے بہتر ہے، اپنے اموریں دوسروں کو شریک کرو، تاکہ علم حاصل کرنے کے لئے کچھ وقت بچ جائے۔ خبردار! بے وقوفوں اور جو فن مناظرہ سے واقف نہ ہوں اور اہلِ علم کے دلائل کو نہ سمجھیں، طلب جاہ کے لئے کوشاں ہوں اور تمہارے شرمندہ کرنے کے لئے مسائل یاد کریں، ان سے ہرگز بات نہ کرو اس لئے کہ اگر وہ تمہیں حق بجانب سمجھیں گے تب بھی پرواہ نہ کریں گے۔ جب رؤساء کے پاس جاؤ تو ان سے بلند اور بالا جگہ نہ بیٹھو جب تک تم کو وہ اس جگہ نہ بٹھائیں۔ جب کسی قبیلہ میں پہونچو تو جب تک وہ تمہیں امام نہ بنائیں نماز نہ پڑھانا۔ حمام میں صبح اور دوپہر کو داخل نہ ہو۔ تفریح گاہ میں نہ جاؤ۔ مظالم سلطان پر حاضر نہ ہونا، ہاں جب یہ یقین ہو کہ تمہاری بات سُن لی جائے گی تو مضائقہ نہیں ــــ خبردار! مجلسِ علم میں غضبناک نہ ہونا۔ عوام میں قصّہ گوئی نہ کرنا، اس لئے کہ قصہ گو جھوٹ سے نہیں بچ سکتا۔

جب کسی اہلِ علم کے اعزاز میں کوئی مجلسِ علم منعقد کرو تو اس کے تو اس کے استقبال کے لئے بہ نفسِ نفیس خود حاضر ہونا، اور جو کچھ معلوم ہو بیان کرنا ورنہ نہیں، تاکہ تمہاری موجودگی کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا نہ ہوں اور آنے والے کو تم جیسا عالم تصور کریں، حالانکہ وہ اس صفت سے موصوف نہ ہوگا، جس کے تم مالک ہو۔ کسی آدمی کو مسندِ درس پر نہ بٹھاؤ تاکہ وہ تمہارے سامنے درس دے، بلکہ اپنے شاگردوں کو اس کے پاس چھوڑ دو تاکہ وہ اس کے علم کا امتحان لے سکیں، مجلسِ وعظ اور اس مجلس میں جسے تیرے اعزاز اور تیرے تزکیہ یا تیرے متعلقین کے تزکیہ کے لئے منعقد کیا ہو نہ جانا (کیونکہ اس صورت میں صرف وہ آدمی ریا اور نمود کے لئے اور اظہارِ مشیخت کے لئے ایسا کر رہا ہے اس سے فائدہ نہ ہوگا۔)

نکاح کے معاملات کو اپنے محلہ کے نکاح خواں، اسی طرح عید اور جنازہ کی نماز کو اس کے مستحق کے لئے چھوڑ دو (کہ وہی نماز پڑھائے)۔ جو آدمی تمہارے لئے دعا کرے اس کو فراموش نہ کرنا ـــــ میری اس نصیحت کو قبول کرو جس کو میں نے تمہاری اور تمام مسلمانوں کی مصلحت اور فائدے کے لئے کہا ہے ۔

دیگر زرّین نصیحتیں!

۱۔ جس وقت اذان کی آواز آئے تو فوراً نماز کیلئے تیار ہو جاؤ،

۲۔ روزانہ تلاوتِ قرآنِ پاک کی عادت ڈالو،

۳۔ کبھی کبھی قبرستان کی طرف نکل جایا کرو،

۴۔ لہو لعب سے پرہیز کیا کرو،

۵۔ پڑوسی کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو،

۶۔ تقویٰ اور امانت کو فراموش مت کرو،

۷۔ جس خدمت کے انجام دینے کی قابلیت نہ ہو اسے ہرگز قبول نہ کرو،

۸۔ اگر کوئی شخص شریعت میں کسی بدعت کا موجد ہو تو اس کی غلطی کا اعلانیہ اظہار کرو تاکہ عوام کو اسکی تقلید کی جرأت نہ ہو سکے،

۹۔ تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھو،

۱۰۔ جو آدمی کچھ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دیدو، اپنی طرف سے کچھ اضافہ مت کرو،

۱۱۔ شاگردوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو، کہ دیکھنے والے ان کو تمہاری اولاد خیال کریں،

۱۲۔ جو بات کہو خوب سوچ سمجھ کر کہو اور وہی کہو جسکا کافی ثبوت دے سکو۔

شکر کہ ایں نامہ بعنواں رسید ❊ پیشتر از عمر بپایاں رسید

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم ۔۔۔ ❊

حضرت ابو حنیفہ رضی کی

گرفتاری اور وفات

عام طور سے تاریخ کی کتابوں سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔
اول یہ کہ حضرت امام ابو حنیفہ رض کو عہدۂ قضائے سے انکار کی وجہ سے گرفتار کیا گیا ــــ دوم یہ کہ آپ نے نفسِ ذکیہ کے خروج میں حکومت کے مخالف گروپ کی موافقت کی تھی۔

عہدۂ قضا سے انکار

گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ امام صاحبؒ نے ابن ہبیرہ کے زمانے میں بھی قضائے کے عہدے سے انکار کر دیا تھا اور خلیفہ ابو جعفر منصور کو بھی صفائی کے ساتھ جواب دیدیا تھا: کہ میں ہرگز یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا، میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں اور اس پر قسم بھی کھالی تھی اس پر امام صاحبؒ کو گرفتار کر لیا گیا۔ علامہ ابو زہرہ مصری لکھتے ہیں:-

"داؤد بن راشد کہتے ہیں کہ جس وقت امام صاحبؒ کو سزا دی جاتی تھی، تو میں موجود تھا۔ آپ کو روزانہ

قید خانہ سے نکالا جاتا تھا اور دس کوڑے مارے جاتے تھے یہاں تک کہ آپ کے ایک سو دس کوڑے مارے گئے اور آپ سے قضائے کے قبول کرنے کو کہا جاتا تھا اور آپ یہی فرما دیتے تھے کہ میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں چنانچہ جب مسلسل یہی سزا دی گئی تو آپؒ نے خدا سے دُعا کی :۔ الٰہی ! " مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھ" چنانچہ آپ کو زہر دیا گیا اور آپکا اسی میں انتقال ہوا۔"

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا عوامل تھے کہ جن کی بناء پر آپؒ نے اتنی سختی برداشت کی اور عہدۂ قضاء کو قبول نہ کیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آپ نے برہنائے تقویٰ ایسا کیا تھا۔ تاریخی روشنی میں بھی یہ وجہ زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔

قضائے سے انکار کا سبب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں عدلیہ کے شعبہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کر دیا گیا تھا لیکن باوجود اس کے عدلیہ بالکل آزاد تھا، کوئی دباؤ اس پر نہیں ڈالا جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ حمویؒ نے حاشیہ "الاشباہ" میں تحریر فرمایا ہے :۔

"جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملکی مشاغل بہت زیادہ بڑھ گئے تو انہوں نے عدلیہ کو حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دیا۔ انہیں ایام میں ان کے پاس دو آدمی جھگڑتے ہوئے آئے، حضرت ابودرداؓ نے ایک کے حق میں فیصلہ دیا تو دوسرا شخص حضرت عمرؓ کے پاس پہونچا اور اپنی شکایت پیش کی تو آپؓ نے فرمایا:-

" لَوْ كُنْتُ أَنَا مَكَانَهُ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو
لَقَضَيْتُ لَكَ " تیرے حق میں فیصلہ کرتا۔

اس شخص نے کہا: آپؓ تو خلیفہ ہیں کیوں نہیں فیصلہ کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہاں میرے پاس کوئی نہیں ہے اور رائے ایک مشترکہ چیز ہے۔ یعنی: اس میں ہم دونوں برابر ہیں۔"

(لیس ھنالک نص والرائے مشترک")

اس سے ظاہر ہے کہ عدلیہ کے معاملات میں خلیفۂ وقت بھی دخل اندازی نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس بر خلاف خلافت بنی امیہ میں اگر درباریوں کے خلاف کوئی فیصلہ کر دیا جاتا تو قاضی کو بے عزتی کے ساتھ معزول کر دیا جاتا تھا۔ خلافت عباسیہ

میں ہارون رشید کے خلیفہ ہونے کے پہلے تک ایسا ہی رہا،
چنانچہ خلیفہ منصور کے زمانے میں قاضی شریک کا بہت بڑا
حشر ہوا۔ منصور کے بیٹے مہدی کے ایک فوجی کے خلاف
قاضی عبیداللہ بن حسن کی عدالت میں ایک تاجر نے اپنا مقدمہ
پیش کیا، ادھر پیشی ہوئی، ادھر مہدی کا پیغام پہونچا: ۔
" دیکھو! جس زمین کے متعلق فلاں افسر اور فلاں تاجر
کے درمیان جھگڑا ہے، اس میں فیصلہ افسر کے حق میں دو۔"
لیکن قاضی عبیداللہ نے فوجی افسر کے خلاف فیصلہ دیا۔ اس پر
مہدی نے ان کو معزول کر دیا۔

بعض دفعہ تو قاضی کی اہلیت کا بھی سوال نہیں تھا، خواہ
وہ مستحق قضا ہو یا نہ ہو لیکن حکومت کا وفادار ہو، اسی کو
قاضی کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اموی دورِ خلافت میں قاضی
عابس کے بارے میں مروی ہے کہ وہ پورا قرآن شریف بھی نہیں
پڑھا تھا، لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتا تھا، فرائض سے بھی
واقف نہیں تھا لیکن پورے مصر کا قاضی تھا کیونکہ اس نے یزید
کی بیعت کے سلسلے میں بڑی خدمات انجام دیں تھیں۔

یہ حالات تھے جن کے پیشِ نظر حضرت امام صاحبؒ نے عہدۂ
قضا سے انکار کر دیا تھا، کیونکہ وہ اپنے فیصلوں کو حکومت سے

متاثر نہیں کرنا چاہتا تھے، اور یہ اس زمانہ میں ممکن نہیں تھا کہ عدل و انصاف حکومت کی مرضی کے مطابق نہ کیا جائے یہ دیکھتے ہوئے امام صاحبؒ نے انکار کر دیا تھا۔ ٭

بغاوت کا الزام

امام صاحبؒ کی گرفتاری کا دوسرا سبب سے بغاوت بتلایا جاتا ہے جس کو ہم سطور ذیل میں علامہ شبلیؒ کے قلم سے نقل کرتے ہیں۔

۱۳۲ھ میں سلطنت اسلام نے دوسرا پہلو بدلا یعنی بنی امیہ کا خاتمہ ہو گیا اور آل عباس تخت و تاج کے مالک ہوئے اس خاندان کا پہلا فرماں روا ابو العباس سفاح تھا۔ اس نے چار برس حکومت کی ۱۳۶ھ کے بعد اس کا بھائی منصور تخت نشین ہوا۔ عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا تھا، یہاں تک کہ خلفائے بنی امیہ کی قبریں اکھڑوا کر ان کی ہڈیاں تک جلا دیں تھیں، تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا سکہ نہیں بیٹھا تھا، جابجا بغاوتیں اٹھیں۔ ان فتنوں کو فرد کرنے میں سفاح اور منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا، تمام ملک کی آنکھیں ان کے جانشینوں پر لگی تھیں لیکن

ان خونریزیوں نے سب کے دل افسردہ کر دیئے۔ چنانچہ ایک موقع پر منصور نے کہا: "کیا کروں؟ کام کے آدمی نہیں ملتے عبدالرحمٰن نے بازار میں جس جنس کی زیادہ مانگ ہوتی ہے قلت بھی اسی کی ہوتی ہے۔

منصور نے یہ ستم بھی کیا کہ سادات کی بھی خانہ بربادی شروع کر دی، اس میں شبہ نہیں کہ سادات ایک مدت سے خلافت کا خیال پکا رہے تھے اور ایک لحاظ سے ان کا حق بھی تھا تاہم سفاح کی وفات تک ان کی کوئی سازش ظاہر نہ ہوئی تھی صرف بدگمانی پر منصور نے سادات علویین کی بیخ کنی شروع کر دی جو لوگ ان میں ممتاز تھے ان کے ساتھ بے رحمیاں کیں محمد بن ابراہیم جو کہ حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھے اور اس وجہ دیباج کہلاتے تھے، ان کو زندہ دیوار میں چنوا دیا ان بے رحمیوں کی بڑی داستان ہے جس کے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیے۔ آخر تنگ آ کر ۱۴۵ھ میں انہیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا، اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی، بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتیٰ کہ امام مالک نے فتویٰ دیدیا کہ منصور نے جبراً بیعت لی ہے خلافت

نفسِ ذکیہ کا حق ہے۔

نفسِ ذکیہؒ اگرچہ نہایت دلیر، قوی بازو، جنگ سے واقف تھے۔ لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان المبارک ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے میدانِ جنگ میں شہید ہوئے۔ اُن کے بعد ان کے بھائی نے علمِ خلافت بلند کیا اور اس سروسامان سے مقابلہ کو اٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے۔ کہتے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے۔ سرہانے سے تکیہ اُٹھا لیتا تھا اور کہتا تھا: "میں نہیں جانتا تھا کہ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا۔"

ابراہیمؒ چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے۔ ان کے دعوئ خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں، خاص کوفہ میں کم و بیش بلینس[۱] لاکھ آدمی ان کے ساتھ جان دینے کو تیار ہو گئے، مذہبی گروہ خاص کر علماء و فقہائے نے عموماً ان کا ساتھ دیا۔ امام صاحبؒ بھی ان کی تائید کی، خود شریکِ جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، جس کا ان کو ہمیشہ افسوس رہا۔ نامہ دانشوراں میں امام صاحبؒ کا ایک خط

نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے ابراہیمؒ کو لکھا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

"میں آپ کے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں اس وقت اسی قدر موجود تھے۔ اگر لوگوں امانتیں میرے پاس نہ ہوتیں تو میں ضرور آپ سے ملتا۔ جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اہل صفین کے ساتھ کیا تھا۔ زخمی اور بھاگ جانے والے سب قتل کئے جائیں۔ ایسا نہ کرنا جیسا کہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل میں کیا تھا، کیونکہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے۔" (سیرت نعمان ملخصاً ص ۳۴، ۳۵)

اس خط اور علامہ شبلیؒ کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ ابراہیمؒ کے طرفدار تھے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ ناصر دانشوراں اور علامہ شبلیؒ کی یہ تحقیق موضوعات شیعہ کے سہارے رہے ہے۔ خط کی عبادت پکار رہی ہے کہ یہ امام صاحبؒ کی عبارت نہیں ہے بلکہ بعد کے لوگوں کی ایجاد ہے، کیونکہ امام صاحبؒ جیسے محقق پر اپنے قریبی زمانے کے واقعات پوشیدہ نہیں تھے۔ کون نہیں جانتا کہ نزاعات صحابہؓ میں خارجیوں کی ریشہ دوانیوں کو کافی دخل تھا۔ چنانچہ جنگ جمل محض خارجیوں کے شب خون مارنے کے

مغالطہ میں پیش آئی ورنہ اس جنگ کے قائدین حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میدانِ جنگ سے علیحدہ ہو گئے اور بات تقریباً طے ہو گئی تھی، لیکن رات کو ستر خارجیوں نے (جن کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لشکر سے نکال دیا تھا) حملہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے محض دھوکہ میں جنگ ہوئی ایسے ہی جنگ صفین میں خارجیوں نے معاملہ کو بگاڑ دیا تھا۔

امام صاحبؒ کی طرف جو خط منسوب کیا گیا ہے، اس کی عبارت شیعوں کی وضع کردہ ہے۔ ورنہ آپ خیال فرمائیں، جو امام ننانوے ۹۹ وجوہات سے بھی کفر کا حکم نہ دے وہ مسلمانوں کو ایسا حکم دے سکتا ہے کہ گویا ان کا مقابلہ اہل کفر سے ہے۔ اس بارے میں پوری تفصیل کتاب "سیرت اصحاب النبیؐ" میں مذکور ہے۔

گرفتاری

سنہ ۱۴۶ھ میں ابراہیم شہید ہو گئے، ان کے قتل کے بعد منصور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا، جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا اس لئے منصور نے بغداد پہونچ کر امام ابوحنیفہؒ کو طلب کیا، اور ان کو قتل کرنے یا قید کرنے کا یہ بہانہ تلاش کیا: کہ آپ کے سامنے عہدۂ قضاء پیش کیا، آپ نے انکار کر دیا۔

منصور نے امام صاحبؒ کو گرفتار تو کر لیا، اور جیل خانہ میں

بھی ڈالدیا۔ لیکن چونکہ امام صاحبؒ کوئی معمولی شخصیت کے مالک تو نہ تھے، اس لئے شہرت ہوگئی اور لوگ اسی حالت میں استفادہ کرنے کے لئے آنا شروع ہوگئے۔ اور جیل خانہ ہی حلقہ درس بن گیا۔ اس حالت میں امام محمدؒ نے بھی امام صاحبؒ سے استفادہ کیا۔ غرض کہ تقریباً چار سال امام صاحبؒ کو نظر بند رہنا پڑا۔ یعنی ۱۴۶ھ تا ۱۵۰ھ۔ ؂

وفات امام صاحبؒ کی وفات جس دن ہوئی وہ دن جمعۃ المبارک کا دن تھا، مہینہ شوال کا اور سال ۱۵۰ھ تھا۔ خلیفہ کو آپ کی طرف سے اندیشہ تھا، کیونکہ آپ کی مقبولیت قید کی حالت میں اور بھی زیادہ ہوگئی تھی۔ اس لئے دھوکہ میں آپؒ کو زہر دیدیا گیا، جس وقت آپ کو علم ہوا تو سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور جان جانِ آفرین کے سپرد کردی — اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

علامہ ابو زہرہ مصری رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے: کہ جس وقت حضرت امام ابو حنیفہؓ کی خدمت میں زہر کا پیالہ پیش کیا گیا، تو آپؒ نے فرمایا:۔

" لَا اَشْرَبُ لِاَنِّیْ اَعْلَمُ میں نہیں پیوں گا کیونکہ

مافیہ ولا اعین علی قتل نفسی فطرح وصب فی فیہ"

میں جانتا ہوں کہ اس میں جو کچھ ہے اور میں اپنی ہلاکت پر اعانت نہیں کرونگا لہذا آپکو گرایا گیا اور زہر کا پیالہ آپکے منہ میں انڈیل دیا گیا۔

یہ روایت اپنے سیاق وسباق اور معنی کے اعتبار سے بالکل غلط ہے اسی طرح کوڑے والی روایت بھی بالکل غلط ہے کیونکہ ان دونوں روایتوں سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ امام صاحبؒ کی کوئی پوزیشن ہی نہ تھی، حالانکہ امام صاحبؒ کے گرد تلامذہ اور عقیدتمندوں کا وہی ہجوم رہتا تھا جو جیل سے باہر تھا۔ آپؒ صرف نظر بند تھے اور اس روایت سے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آپ تنہا تھے اور آپکے ساتھ دست درازی کی گئی حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے کیونکہ عقیدتمندوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ آپکے ساتھ زبردستی کی جائے ناممکنات میں سے ہے۔ اسی طرح کوڑوں والی روایت بھی ابن ہبیرہ کے متعلق ہے نہ کہ خلیفہ منصور کے متعلق۔ ۵۱

صلوٰۃ جنازہ اور تدفین !

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے انتقال کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی، اور سارا شہر امنڈ آیا حسن

بن عمارہؒ (جو آپ کے استاذ بھی تھے) قاضی شہر نے آپؒ کو غسل دیا۔ غسل کے وقت حسن بن عمارہؒ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:-

"اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، آپ نے تیس سال سے افطار نہیں، اور نہ چالیس سال سے رات کو آرام کیا۔ ہم سب میں سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ عابد اور سب سے زیادہ پرہیزگار تھے۔"

غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی بہت زیادہ کثرت ہو گئی تھی، پہلی نماز (جو حسن بن عمارہؒ نے پڑھائی تھی) میں پچاس ہزار آدمی شریک تھے، آپؒ کے جنازہ کی نماز چھ مرتبہ ہوئی اور دفن کے بعد چالیس دن تک آپ کی قبر پر لوگ نماز جنازہ پڑھتے رہے خلیفہ منصور نے بھی آپ کی صلوٰۃ جنازہ قبر پر ہی جا کر پڑھی۔

امام صاحبؒ کی وصیت کے مطابق آپ کی قبر شریف خیزران کے مقبرے میں بنائی گئی۔ آپ کے خیال میں وہی جگہ ایسی تھی جو مغصوبہ نہیں تھی۔ امام صاحبؒ کے انتقال کے بعد تین دن تک مسلسل جنات کے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ ❖ ❖ ❖

منقول از افاداتِ علامہ بجنوری
(ملاحظہ ہو "سیرۃ امام اعظمؒ")

حصہ دوم

اجتہاد

اجتہاد کی حقیقت، اسلام کی حقیقت اور اجتہاد کا ربط، اصول اجتہاد، شرائط اجتہاد، علوم اجتہاد، صحابہؓ کا اجتہاد اجتہاد اور اختلاف، اجتہاد کیلئے بشارت، مذاہب اربعہ اور اجتہاد، اختلاف کے اسباب ...

منقول از

کتاب جناب مولانا عبدالحفیظ رحمانی صاحبؒ،
مطالعہ کرنے والے حضرات انصاف اور ہوشیاری سے ان آنے والے صفحات کا مطالعہ فرماکر اپنا ایمان تازہ کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس زمانے سے ہم گذر رہے ہیں وہ زمانہ اپنی بوقلمونیوں
کے باعث تاریخ میں یادگار رہے گا بایں معنی کہ ایک طرف علم
پرستی کا یہ عالم کہ انسان سطحِ ارض سے بلند ہو کر آسمان تک رسائی
کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ ذرّوں کا جگر شق کرنے کے بعد اب
وہ آسمان کے ثوابت و سیّار کی طرف اُڑنے کے لئے پر تول رہا
ہے، اسی کے پہلو بہ پہلو یہ کیسی اندوہناک حقیقت ہے کہ
جہل کی بیہودہ سے بیہودہ شکل بھی علم کی حریم میں داخل
کی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس کی زد زندگی کی ہر چیز پر ہے
لہذا دین پر بھی، اس زبردست کشمکش میں دیگر ادیان یا سپر
ڈال چکے ہیں یا گمنامی کے عمیق غاروں میں مُہر بلب ہیں، لیکن
اسلام جو اللہ ربّ العزت کی نعمت ہے اور جس کی حفاظت کا
رشتہ قادرِ قیوم سے وابستہ ہے وہ ابھی مبارزت طلبی کر رہا ہے
اسکی مبارزہ طلبی میں زندگی کی وہ تمام توانائیاں اور رعنائیاں
موجود ہیں جن سے زندگی، زندگی ہے۔

قوموں کی زندگی میں اک بڑا مرحلہ اس وقت آیا کرتا ہے

جب قدیم اور جدید میں ٹکراؤ ہو، تو جدید اپنی تمام تر رستاخیزیوں کے ساتھ یہ چاہتا ہے کہ قدیم کو معرکۂ حیات سے منہ پھیرنے پر مجبور کرے اور قدیم زندگی کا دیر تک ساتھ دینے کی وجہ سے اس پر راضی نہیں ہوتا۔ پھر جس میں توانائی ہوتی ہے، فتح اسی کا مقدر ہوتی ہے۔ یہ اصل فطرت ہے ۔ سنّتِ الٰہی ہے : وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبدِيلًا۔ لیکن یہ باور کرنا چاہیئے کہ اسلام اس معنی میں کوئی قدیم حقیقت نہیں ہے کہ اس کے لئے کوئی چیز نئی ہو، وہ دراصل زندگی کی روح ہے اور روح قدامت کے زمان و مکان سے بلند ایک حقیقت ہے ۔

اسلام کی جہاں اور بہت سی خصوصیات ہیں وہاں ایک خصوصیّت اجتہاد ہے ۔ اجتہاد اس وقت مخالف اور موافق ہے دونوں حضرات کے لئے محورِ بحث بنا ہوا ہے۔ جو اجتہاد کو ایک رواں دواں حقیقت مانتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ بلا قید ہر کوئی "مجتہد" ہو جو لوگ اجتہاد کے اس معنی میں مخالف ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی ایک پتھر ہے جس میں نہ حرکت ہے نہ نمو، اس کو سیلاب بہا سکتے ہیں لیکن وہ خود حرکت نہیں کرتا۔ ایسے عالم میں ہمیں براہِ راست اجتہاد کی

حیثیت پر غور کرنا چاہیئے۔ اجتہاد عربی قاعدے کے مطابق باب افتعال میں ہے اور اس کا اصلی مادّہ جھد ہے جس کے معنی کوشش کرنے کے ہیں۔ غور فرمائیے کہ یہ مادّہ اجتہاد میں آکر اور مجاہدہ میں پہنچکر کس قدر وسعت پذیر ہو گیا۔ قرآن حکیم نے جو مجاہدین کی مدح سرائی کی ہے، اس کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں لفظوں میں بڑی زبردست مشارکت ہے۔ جو لوگ صرف لغت پر غور کر رہے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اجتہاد و مجاہدہ میں کتنی عمیق مناسبت ہے۔ جہاد وہی جہاد ہے کہ جس میں دھن و دولت اور جان کو نذرِ الٰہی کر دیا گیا ہو۔

اسی طرح اجتہاد وہی اجتہاد کہ جس میں ہمت و حوصلہ کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہوا ہو۔ اصطلاح میں اجتہاد اس حقیقت کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے اصل حقیقت کا سراغ لگایا جائے۔

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم سر بسر ہدایت و بیان ہے، پھر اس کے باوجود مجتہد یا اجتہاد کیوں ہے؟ اور اس کا کیا مقام ہے؟۔ اس کے لئے آپ خود براہِ راست زندگی کی حقیقت پر غور کریں۔ زندگی دراصل نام ہے ایک نہ بدلنے

والی چیز کا، اور نہ بدلنے والی چیز تو اس کا قوام، اس کی حقیقت اور اس کی ہم آہنگی ہے۔ اور بدلنے والی چیز اس کے وسائل ہیں یعنی اس کی زبان اور اس کا ماحول، اس کی خواہش، اس کا جزر و مد، اس کی قحط زدگی و شادابی۔ یہ سب چیزیں بدلنے والی ہیں۔ قرآنِ عزیز نے انسانوں کو وہ اصول عطا کر دیئے ہیں جو زندگی کے قوام اور اس کی حقیقت سے وابستہ ہیں، جن میں کوئی تبدیلی نہیں، اور وسائل و ذرائع کے دو حصّے کیے گئے ہیں۔ ایک وہ جو کم درجہ میں بدلنے والے ہیں۔ دوسرے وہ جو بہت زیادہ بدلتے ہیں۔ جو کم بدلتے ہیں ان کی تشریح و تعین خود سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کی چشمانِ مبارک کو دیکھنے والے صحابہؓ نے کی ہے۔ اور دوسری قسم کو انسان اور اس کے فکر و عقل پر چھوڑ دیا گیا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآنِ حکیم بھی وید کی طرح یا اوستا کی طرح ناقابلِ عمل ایک دستورِ حیات ہوتا۔

زندگی کی ضرورتوں کی اتنی دور رس تقسیم علّام الغیوب کے سوا اور کون کر سکتا تھا۔ یہ ایک دلیل ہے کہ قرآن منزل من اللہ ہے اور تحریف کی چیرہ دستیاں کبھی اس کے دامنِ عصمت کو نہ پا سکیں گی۔ یہ بات یہیں سے معلوم ہو گئی کہ زندگی کی اس

تیسری کی تعمیر و تشکیل وہی کر سکتا ہے جس کو پہلی دو قسموں سے بڑا گہرا لگاؤ اور بہت دور تک خط وافر نصیب ہوا ہو، یعنی جس نے وحی، صاحبِ وحیؐ اور اس کے گرد جو لوگ تھے ان کو سمجھا ہو، یہ وہ مقام ہے کہ جہاں سے ہم اجتہاد کے موافق اور مخالف دونوں حضرات کو اپنی جگہ مطمئن کر سکتے ہیں۔

میں اس کے حق میں کبھی نہیں ہوں کہ ایک شخص جس کی ساری عمر حجرہ نشینی میں گذری ہو، محض چند کتابوں کے صفحات اس کو ازبر ہوں، زندگی اور زندگی کے تغیرات پر اس کی کوئی نظر نہ ہو وہ ہمیں اس بات پر مجبور کرے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے ہم اس کو مان لیں نہیں تو ہمارا شمار "زنادقہ" میں ہوگا۔

اسی طرح میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ایک وہ شخص جس نے چند مفکرین کی دس پانچ تھیوریاں سمجھی ہیں "لا" پر چند مصنفین کا مطالعہ کیا ہے وہ اسلام کی عصمت پر یہ کہہ کر حروف لگائے کہ یہاں ہر شخص کو منہ کھولنے کی اجازت نہیں۔ اس پوری گفتگو کو مختصراً یوں کہہ لیجئے کہ احکام شرعیہ میں انتہائی غور و فکر کرنے کا نام اجتہاد ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ احکام شرعیہ کسے کہتے ہیں۔؟ آیا وہ جو صرف قرآنِ حکیم میں ہے یا صرف حدیث پاک میں، یا

اس کے علاوہ اور کچھ۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے یہ سمجھ لیجئے کہ احکام شرعیہ کی بنیاد چار چیزوں پر استوار ہوتی ہے: کتاب اللہ، عمل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اجماع اور قیاس۔ جس ترتیب سے میں نے عرض کیا اسی ترتیب سے ان پر عمل ہوگا۔ سب سے پہلے جس چیز کو سامنے رکھا جائے گا وہ کتاب اللہ ہے، یعنی جو چیز اس میں صراحتہً یا کنایتہً بیان ہو چکی ہے وہ ہر چیز سے مقدم ہے۔ اگرچہ ہم اپنے فہم ناقص کی بناء پر کسی مسئلہ کو براہ راست کتاب اللہ سے نہ پا سکیں تو پھر ہمیں سیرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روشنی حاصل کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد اگر بالفرض ہم اپنی کوتاہ نظری کے باعث یہاں بھی محروم رہ گئے تو پھر ہم یہ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کی نظر قرآن وسنت پر تھی انہوں نے اس مسئلہ میں کیا کہا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے جو کچھ کہا ہوگا وہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں ہی کہا ہوگا، جس مسئلہ کے پہلو پر ایسے علماء کی اکثریت ہو جائے اسی مسئلہ کو اجماعی مسئلہ کہتے ہیں آخری چیز قیاس ہے، یعنی ہم ان تینوں چیزوں کو سامنے رکھ کر خود سوچ وبچار کریں، ان باتوں کو ذہن میں رکھنے کے بعد آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد مقدس سنیئے:-

عن معاذ بن جبل رضی   جب معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اللہ عنہ قال ان رسول	فرماتے ہیں، کہ یمن روانہ کرتے وقت
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما	اُن سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ
بعثہ الی الیمن قال کیف	وسلم نے یہ پوچھا، کہ جب تمہارے سامنے کوئی
تقضی اذا عرض لک قضاء	مسئلہ پیش آئے گا تو کیسے طے کرو گے،
قال اقضی بکتاب اللہ قال	انھوں نے عرض کیا، کہ میں کتاب اللہ کی
فان لم تجد فی کتاب	روشنی میں اس کو طے کرونگا۔ ارشاد ہوا
اللہ قال فبسنۃ رسول	کہ اگر کتاب اللہ میں اس کا حل نہ ہو تو
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	عرض کیا کہ سنّت رسول صلی اللہ تعالےٰ علیہ
قال فان لم تجد فی	وآلہٖ وسلم کے مطابق حل کرونگا۔ فرمایا؛
سنۃ رسول اللہ قال	کہ اگر سنّت رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ
اجتہد رائی وقال فضرب	وآلہٖ وسلم میں بھی اس کا کوئی حل نہ ہو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	عرض کیا پھر اپنی رائے سے مسئلہ حل کرونگا
علی صدرہ وقال الحمد	اور تابہ مقدور کوشش کرونگا۔ آپ یہ سنکر
للہ الذی وفق رسول رسول	ان کے سینے پر دستِ مقدس رکھا اور فرمایا کہ
اللہ لما یرضاہ رسول اللہ۔	الحمدللہ جس نے پیغامبر رسول کو اس بات کی
(ترمذی)	توفیق بخشی جس سے اللہ کا رسول خوش ہو سکے

اس حدیث مبارک میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گذارش
اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصویب و تائید اس

طور پر کہ آپ نے سینہ پر دستِ مقدس رکھا، ایک ایسی دلالت ہے کہ اس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔

اجتہاد یا قیاس کون کرسکتا ہے، اس کے لئے کم از کم اس کو مفصلہ ذیل معلومات حاصل ہو چاہئیں۔

۱ قرآن کریم میں جو احکامات ہیں ان پر مفصل نظر ہو بایں طور کہ سیاق و سباق سب احاطہ نظر میں آ گیا ہو۔

۲۔ احکام سے متعلق احادیث کا وہ ذخیرہ جس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مسئلہ کے متعلق صراحت فرما دی ہے۔ بعض لوگ شاید اس صراحت کو نہ سمجھیں ایسے لوگوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشادِ مقدس ملحوظ رکھنا چاہیئے:۔

عن ابی رافع رضی اللّٰہ	حضرت ابی رافع رضی اللہ تعالیٰ
عنہ قال قال رسول اللّٰہ	عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا	علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تم میں
الفین احدکم متکئاً	کبھی کسی کو اس طرح نہ پاؤں کہ وہ عیش و
علی اریکتہ یاتیہ الامر	عشرت میں ڈوبا ہو) مسہری پر تکیہ لگائے
من امری مما امرت بہ	بیٹھا ہو میرے حکم دیئے ہوئے یا روکے ہوئے

او شہبت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ " (احمد)	اور میں سے کوئی امر اسکے پاس پہنچے اور وہ منہ پھیر کر یہ کہدے: کہ میں کچھ نہیں جانتا، ہم نے جو کچھ اللہ کی کتاب میں پایا اسی کا اتباع کیا۔"

۳۔ اجماع کے مواقع سے خبردار رہنا، یعنی اس کو یہ معلوم رہنا چاہیئے کہ کس مسئلہ میں علمائے کرام متفق ہو چکے ہیں، اور اب ان سے الگ کوئی رائے قائم کرنا گمراہی کی بات ہے۔

۴۔ عربی زبان پر پوری پوری قدرت، محاورات، ان کے استعمال کا طریق۔ اس کی سب سے بہتر مثال حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں:۔

عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قال قلت ارأیت قول اللہ تعالیٰ ان الصفا والمروۃ، من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان	حضرت عروہ یہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں یہ بات عرض کی کہ اس آیت کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے (حضرت عروہ کا خیال تھا) کہ سعی بین الصفا والمروہ نہ کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، اور ان کا استدلال: فلا جناح علیہ

یطوف بهما فقالت عائشۃ رض بئسما قلت یابن اختی لو کانت علی ما اولتها علیہ کانت فلا جناح علیہ ان لا یطوف بهما ۔" (مسلم)	سے تھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے یہ سُنکر فرمایا: صاحبزادے! تم نے کیا بات کہی؟ اگر یہ بات تمہاری تاویل کے مطابق ہوتی تو اس کو یوں ہونا چاہیئے تھا: " فلا جناح علیہ ان لا یطوف بهما ۔" (مسلم شریف)

۵۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ کون آیت ناسخ ہے، اور کون منسوخ ۔ یعنی نزولِ قرآن کی پوری تاریخ پر نظر ہونی چاہیئے ۔ ابتدائے اسلام میں وصیت فرض تھی اور آج بھی یہ ارشاد موجود ہے:

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرن الوصیۃ للوالدین والاقربین (الی) ان اللہ غفور الرحیم ○

اسی آیت کے متعلق حضرت ابو امامہ باہلی رض فرماتے ہیں:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی خطبۃ حجۃ الوداع ان	میں نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سُنا : کہ اللہ تعالی ہر حقدار کو

اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث۔" رواہ ابوداؤد	(بذریعہ آیت میراث) اس کا حق عطا فرما چکے۔ اس لئے اب کسی وارث کے حق میں وصیت نہیں ہوگی (ابوداؤد)

۶۔ ناسخ و منسوخ یا احادیث کا سلسلہ میں یہ معلوم ہونا کہ اس کا راوی کیسا ہے۔ یعنی رواۃ کے عدل و جرح کے سلسلہ میں پوری نظر ہونی چاہیئے۔ مثلاً:

یہ مسئلہ کہ کتنی مسافت پر قصر صلوٰۃ ہو جاتا ہے اس سلسلہ میں امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ علیہم یہ فرماتے ہیں: کہ کم از کم سولہ فرسخ چار برد کی مسافت ہونی چاہیئے۔ اس حکم کا استدلال حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا اھل مکۃ لا تقصروا الصلوٰۃ فی ادنیٰ من اربعۃ برد من مکۃ الی عسفان"	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ سے ارشاد فرمایا: کہ تم لوگ چار برد سے کم پر جتنی مسافت مکہ اور عسفان کے درمیان ہے قصر نہ کرو۔"

(رواہ دارقطنی)

اب سنیئے کہ اس میں دو راوی ہیں، اسماعیل بن عیاش اور عبد الوہاب دونوں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کمزور ہیں۔ امام احمدؒ اور امام یحییٰؒ فرماتے ہیں۔ "لیس عبد الوھاب بشیٔ" امام ثوریؒ فرماتے ہیں۔ "ھو کذاب" امام نسائیؒ فرماتے ہیں۔ "ھو متروک الحدیث۔"

۷۔ قرآنِ حکیم میں احکام سے متعلق پانچسو آیات ہیں اسی طرح احکام سے متعلق احادیث کی تعداد تین ہزار ہے۔

امام بغویؒ فرماتے ہیں: کہ مجتہد کے لئے پانچ باتیں بہت ضروری ہیں۔ یعنی:۔ علمِ قرآن، علمِ حدیث، علماءِ سلف کا اجماع و اختلاف، قیاس: یعنی کتاب و سنّت میں اجماع سے کوئی صریح حکم نہ معلوم ہو رہا ہو۔ اس وقت کس طرح مسئلہ مستنبط کیا جائے گا، علمِ لغت: یعنی عربی زبان پر کامل دسترس۔

جب کوئی شخص ان مسائل کا واقعی احاطہ کر لیتا ہے تو اس کو اجتہاد کا حق حاصل ہو جاتا ہے، اگر ایک بھی شرط نہ پائی گئی تو اس کو مقلد ہونا چاہیئے۔ یہ امام بغویؒ کی شرائط ہیں جن پر تمام علماء کا اتفاق ہو چکا ہے۔ امام رافعیؒ اور امام نوویؒ اور ان کے علاوہ بہت سے ائمہ ہیں (جن کا احصاء بہت ہی

دشوار ہے) نے مجتہد کی تین علامتیں بتائی ہیں۔

اولاً۔ ان اصول میں تصرف جن پر اجتہاد کی بنا استوار ہے۔

ثانیاً۔ جو مسائل اب تک معرض وجود میں نہیں آئے ان پر انہیں دلائل سے رائے کا قیام۔

ان اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے خود بخود حضرات مجتہدین کی چند قسمیں ہو جاتی ہیں:

مجتہد کی قسمیں

مجتہد منتسب جس نے اپنے امام کے استخراج مسائل کے اصول کو تسلیم کر لیا ہو کہ جن پر امام کے مذہب کی بنیاد ہے۔ بایں ہمہ وہ مقلد بھی ہے، لیکن جو مسائل امام سے منقول نہیں ہیں اُن پر خود قرآن و حدیث سے امام کے طریق کار پر استخراج کرتا ہے۔

مثلاً: امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ مجتہد منتسب کو مجتہد مقید بھی کہتے ہیں۔ ایسے حضرات نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں، اور کبھی کبھی کسی فرعی مسئلہ میں امام سے مختلف بھی ہو جاتے ہیں اور ان کے قول پر فتوی بھی ہو جاتا ہے۔

مجتہد فی المسائل جو نہ اصول کی مخالفت کر سکتا ہے اور نہ فرع کی، لیکن نئے مسائل

ہیں اسی سابقہ قاعدہ کے مطابق استخراج و استنباط کرنا ہے ، اس زمرہ میں خصاف شمس الائمہ حلوائی ، سرخسی ، بزدوری ، کرخی ، طحاوی ، قاضی خان وغیرہ ہیں کہ یہ لوگ اصول و فروع کی مخالفت کی استطاعت نہیں رکھتے ، بلکہ سابقہ قوانین پر مسائل استنباط کرتے ہیں

اجتہاد میں خطا اور صواب

مجتہد اپنے اجتہاد میں امکان بھر کوشش کر لینے کے بعد کبھی راہ صواب پاتا ہے اور کبھی اس کی کوشش رائیگاں جاتی ہے ۔ لیکن جہاں تک مسائل کی تفتیش و تحقیق کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ اس نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ۔ مجتہد کو اگر اس نے عنداللہ اجتہاد کیا تو دو گنا اجر ملتا ہے اور اگر اجتہاد عنداللہ غلط ہے تو اس کی سعی و کوشش کا اجر ملے گا ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے :۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ فی المفوضۃ وھی التی مات عنھا زوجھا قبل الدخول	حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی عورت کے باب میں فتویٰ منقول ہے کہ جسکے شوہر کا انتقال خلوت صحیحہ سے قبل ہو گیا ہو اور مہر کی مقدار مقرر

بها ولم يسم لها مهر فسئل عنها فقال اجتهد برائي فان اصبت فمن الله تعالى وان اخطأت فمني ومن الشيطان بها مهر مثل نسائها لا وكس ولا شطط۔"

نہ کی گئی ہو۔ آپؓ نے فرمایا:۔ کہ اپنے طور پر سوچ بچار کرتا ہوں، اگر راہِ صواب ملے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلطی ہو تو اس کا تعلق میرے نفس سے ہے اور شیطان سے ہے۔ اس عورت کو اتنا مہر ملے گا، جتنا کہ اس جیسی دوسری عورتوں کو عموماً ملتا ہے نہ کمی نہ زیادتی۔"

اس اثر سے صراحت سے معلوم ہو گیا کہ مجتہد کو اپنی پوری کوشش کرنے کے بعد معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ یہ بات اور ذہن نشین کر لیجیے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا ہے جب صحابۂ کرامؓ موجود تھے۔ لیکن کسی صحابیؓ نے اس سے اختلاف نہیں کیا اور اس پر اجماع ہو گیا کہ مجتہد مخطی ہو سکتا ہے۔ دوسری روایت میں صراحت کے ساتھ موجود ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لعمرو بن العاص رضى الله عنه احكم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ یہ سمجھ کر فیصلہ کرو کہ اگر

علیٰ انک ان اصبت فلک عشر حسنات و ان اخطاءت فلک حسنة" تمہیں براہ صواب مل گئی تو دس نیکیاں ہیں اور اگر غلطی ہوگئی تو ایک نیکی ہے۔"

اوراس پر جمہور کا اتفاق ہے ہی کہ مجتہد مصیب کے لئے دو اجر اور مجتہد مخطی کے لئے ایک اجر ہے۔ اس حدیث کے علاوہ خود قرآن کریم سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ میں بکریاں کاشت کار کو دیدی تھیں، اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بکریاں کاشت کار کو دے دیں۔ بایں شرط کہ وہ ان بکریوں کی نسل سے فائدہ اٹھائے اور کھیتی چرواہے کو دیدی کہ جب کھیتی اپنے حال پر آجائے گی تو زمین، زمین کے مالک کو اور بکریاں چرواہے کو دے دی جائیں گی۔ ان کے متعلق باری تعالیٰ نے فرمایا:

ففھمنٰھا سلیمان وکلا اٰتینا حکما وعلما (سورہ انبیاء)

" سو ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دی اور یوں ہم نے دونوں کو حکمت و علم عطا فرمایا تھا۔"

آیت کریمہ میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ علم و حکمت کی نعمت سے تو دونوں بہرہ ور تھے، لیکن ایک نے غلطی کی اور دوسرے نے ٹھیک کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد مخطی بھی ہوتا ہے اور

مصیب بھی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر مجتہدین میں باہم دگر اختلاف کیوں ہوتا ہے؟ اس کے لئے ذیل کی باتوں پر غور فرمایئے:

اولاً ۔ ہر مجتہد کے پیشِ نظر قرآن و حدیث آثار و اقوال ہوتے ہیں، انہیں پر مسائل کی بنیاد اٹھائی جاتی ہے، لیکن کسی مجتہد کی نظر میں کوئی حدیث راجح ہوتی ہے اور دوسرے کو دوسری۔

قصاص کے سلسلہ میں حضرات ائمہ میں باہم دگر اختلاف ہے۔ آیتِ کریمہ ہے: الحرُّ بالحرِّ والعبدُ بالعبدِ والانثیٰ بالانثیٰ۔ بعض ائمہ اس آیت سے اس طرف گئے ہیں، کہ عبد کے مقابلہ میں حر قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رض کا استدلال ہے۔ وہ یہ ہے کہ نفس کے بدلے میں نفس قتل کیا جائے گا، آزاد ہو کہ غلام، مذکر ہو کہ مؤنث۔ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وکتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس جو احکامِ الٰہی سابقہ کتابوں میں نازل ہوئے ہیں ان کے متعلق یہ اتفاق ہے کہ جب اُن کی حکایت قرآن و سنّت کی زبان سے پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے تو وہ واجب الاتباع ہے۔

ثانیاً ۔ ایک مجتہد کو ایک حدیث پہنچی، لیکن دوسرے مجتہد تک وہ حدیث نہیں پہنچ سکی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہارون الرشید نے یہ چاہا کہ موطا امام مالک رح کو ملک کا دستور قرار دیکر

اس کی نقلیں پوری قلمرو میں بھیجکر لوگوں کو اس کی پیروی پر مجبور کیا جائے تو حضرت امام مالک ؒ نے یہ کہکر انکار فرما دیا تھا کہ صحابہ کرام رضؓ مختلف علاقوں تک جا چکے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ احادیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پہنچ چکی ہیں، کیا ضروری ہے کہ موطا میں ان سب کا احاطہ ہوگیا ہو۔ اللہ تعالیٰ امام پر ہزار ہزار رحمتیں نازل فرمائے۔ اگر بعد کے آنے والے یہ حرکتیں نہ کرتے، کہ شافعی ہر شخص کو شافعی المسلک بننے پر مجبور کرے یا حنفی ساری دنیا کو یہ چاہے کہ حنفی ہو جائے۔ تو تاریخ اسلام کسی اور طریقہ سے مرتب ہوتی۔

ثالثاً — الفاظ کی تشریح و مراد میں اختلاف اور اپنے اصول کے مطابق استخراج مسائل، اس کی مثال میں قروء کے مسئلہ کو پیش کیا جاسکتا ہے کہ اس سے حیض بھی مراد لیا گیا ہے اور دو حیضوں کے درمیان کا وقفہ بھی۔

مسائل اجتہادیہ

اصولِ فقہ کی کتابوں میں جو مسائل مذکور ہیں، وہ دو قسموں پر مشتمل ہیں۔ ایک قسم تو یہ کہ لغات عرب کا استقرائی طور پر مطالعہ کیا گیا ہے، مثلاً: خاص، عام وغیرہ۔ جس طرح ایک لغت

والا یہ کہتا ہے: کہ یہ اسم نکرہ ہے، یہ معرفہ ہے، یہ علم ہے، یہ جنس ہے، یہ فاعل ہے اور یہ مفعول ہے۔ اس قسم میں کسی قسم کا اختلاف نظر نہیں آتا۔ لیکن دوسری قسم میں اختلاف نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس دوسری قسم کا تعلق ذہن و عقل سے ہے اور عقل اپنے فہم و استنباط میں کبھی یکساں نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر آپ ایک شخص کے ہاتھ میں ایک عربی کی معربی کتاب دیدیں، اور چند سطریں پڑھنے کی درخواست کریں، یقینی بات ہے اسے جب لفظ کے اعراب پر شبہہ ہوگا اسے قرائن سے پڑھنے کی کوشش کرے گا اور جو حرکت زیادہ صحیح نظر آئے گا اسے اختیار کرے گا۔ بالکل اسی طرح ائمہ مجتہدین کے سامنے مختلف احادیث تھیں، ہر ایک نے اپنی فہم و فراست اور قوت اجتہاد صرف کرکے احادیث میں تطبیق دی، جو حدیث جن معانی میں جس مجتہد کی سمجھ میں آئی اس نے وہی اختیار کیا۔

ان مجتہدین کے بعد جب دوسری نسل سامنے آئی تو اسی کے ساتھ نئے نئے مسائل بھی سامنے آئے جن پر سلف صالحین نے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی تھی، چونکہ ضرورت سامنے تھی۔ انہیں اصول پر انہوں نے بھی استخراج و استنباط شروع کر دیا۔ ان کے بعد آنے والے علماء نے ان اصول و ضوابط کو کتابی شکل میں مرتب

کر دیا تاکہ بعد میں آنے والی نسل کے لئے یہ مدون طریق کار رہبری کر سکے۔ ان حضرات نے احادیث کی چھان بین میں کسی قسم کی فرو گذاشت نہیں کی، اس ذیل میں روایات کی صحت، ضعیف، حسن وغیرہ یہ چیزیں آتی ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ رواۃ کے حالات شرح و بسط کے ساتھ ہمارے سامنے رکھدیئے ہیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آجانی چاہیئے کہ آنحضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی قول دو معنیٰ رکھتا ہے، ایک اس کی لفظی حیثیت ہے اور ایک معنوی۔ مجتہد بھی جب اجتہاد کریگا تو اس کے دونوں پہلوؤں پر نظر ہو گی اور اس بناء پر مجتہدین میں باہمی اختلاف ہو گا، اگر حکم کی علت معلوم ہو جائے تو اختلاف کا کوئی محل نہیں۔ لیکن اگر علت معلوم نہ ہو تو پھر اختلاف لابدی ہے۔ ایسے حالات میں مجتہد کو مسئلہ کی جس صورت پر اطمینان ہو گیا ہے وہ اسی پر عمل کرے گا۔ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد ہے: "من قتل عبدًا قتلناہ ومن جدع عبدًا جدعناہ" جمہور نے اس کے الفاظ پر اس کو محمول نہیں کیا بلکہ سیاست پر محمول کیا۔ چنانچہ داؤد ظاہریؒ کے علاوہ اس پر اور کسی امام کا فتویٰ نہیں ہے، یا بالکل اسی طرح کی اندھیری رات میں سمت قبلہ مشتبہ ہو جائے تو اندازہ لگانے کی اجازت ہے اور اندازے کے بعد جس سمت

پر اطمینان ہو جائے اسی پر عمل واجب ہے۔

اگر دو مجتہدین نے کسی مسئلہ میں دو رائیں پیش کیں اور ان کے پاس ثبوت میں احادیثِ صحیحہ موجود ہیں تو دونوں کا مختار مسلک اپنی جگہ پر صحیح ہے جب تک کہ اس پر کوئی نقیض نہ آجائے۔

ائمہ اجتہاد کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

کسی بھی امام نے قرآن و حدیث ترک کرکے اپنی رائے پیش کرنے کی جرأت نہیں کی ہے اور یہ بھی کیسے ہو سکتا ہے کہ جن کی صداقت و طہارت پر ان کا پورا عصر شہادت دے رہا ہو۔ یہ لوگ خود کیا کہتے ہیں، غور سے سنئے :

حضرت امام ابو حنیفہ رضؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی رائے سے بچو، خواہ انہوں نے کتنے ہی سلیقہ سے پیش کی ہو۔ اور جس شخص کو میرے کلام کی دلیل معلوم نہ ہو اسے فتوی دینا حرام ہے اور اگر میری رائے قرآن و حدیث کے خلاف ہو تو اس کو چھوڑ کر قرآن و حدیث پر عمل کرو۔

حضرت امام مالک رحؒ فرماتے ہیں : لوگوں کی رائے سے بچو، قرآن و سنّت پر عمل کرو۔ اگر تمہیں کسی چیز کے معنی معلوم نہ ہوں تو علماء سے دریافت کر لو۔ آپس میں دین کے بارے میں نہ جھگڑو

کہ یہ بھی نفاق کی ایک قسم ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں: کہ اگر میری کوئی بات پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کے خلاف ہو تو میری بات چھوڑ دو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنتِ مقدس پر عمل کرو۔ حضرت امام شافعیؒ صحابہؓ و تابعینؒ کا حد درجہ ادب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں، صحابہؓ ہم سے بڑے ہیں، اُن کا علم، اجتہاد، تقویٰ، عقل غرضیکہ ہر چیز ہم سے بلند ہے۔ اور تو اور جب حضرت امام ابو حنیفہؓ کے مزار پر حاضر ہوئے تو ادب کی وجہ سے اُنہیں کے مسلک کے مطابق نماز ادا کی۔

اسی طرح حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے رائے کی مذمت کی ہے جبکہ وہ خلاف شرع ہو۔ کسی بھی امامؒ کا مسلک شرع کے خلاف نہیں ہے، بلکہ تمام دلائل قرآن و حدیث ہی کے گرد گھومتی ہیں۔ ہر مسلک طریق ہدایت ہے برسرِ حق ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ

تاج الائمہ حضرت امام ابو حنیفہؓ کے باب میں علماء متقدمین و متاخرین اُن کے علم و فضل، تقویٰ و دیانت اور وقت نظر پر

متفق ہیں کہ امام صاحب نے کوئی بھی مسئلہ کتاب و سنّت سے خلاف نہیں فرمایا۔ اب اگر کوئی اُن کو قیاس پرست کہتا ہے تو اس کی کوتاہ نظری کے ماتم کی بجائے اور کیا ہو سکتا ہے، جبکہ خود انہوں نے صاف اس کی تشریح کر دی ہے؛ کہ میں اوّلاً کتاب اللہ کو لیتا ہوں پھر سنّتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مسائل کا استخراج کرتا ہوں، اگر سنّتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں مجھے وہ مسئلہ نہ ملا تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فتووں پر عمل کرتا ہوں، اس کے بعد اگر ہر چیز خاموش نظر آتی ہے تو اپنے اجتہاد سے کلام لیتا ہوں۔ حاشا وکلا! اس قول کے باوجود امام صاحبؒ پر محض قیاسی کا الزام لگایا جا سکتا ہے۔ کیا انہیں قرآن و سنّت سے زیادہ اپنی رائے عزیز ہو سکتی ہے۔ امام صاحبؒ تو پھر بھی اک مقام بلند رکھتے ہیں، کیا ہم میں اور آپ میں سے کوئی مسلمان ایسا ہے کہ جو اپنی بات کی پچ کرے اور قرآن و سنّت کو پسِ پشت ڈال دے۔

سبکی طبقات کبریٰ میں فرماتے ہیں؛ کہ طالبِ علمؒ کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنی زندگی کا نصب العینِ ادب و احترام کو بنائے اور ائمہ مجتہدین کے اقوال کے باب میں کسی واضح دلیل کے بغیر لب کشائی

ؒ: طالبِ علم سے مراد آج کا پیشہ ور طالبِ علم نہیں بلکہ وہ مومن مراد ہے جسے طلبِ حق ہو

نہ کرے۔ اگر تاویلِ حسن اور عمدگی ظن پر قدرت ہو تو کوئی رائے قائم کر سکتے ہو، ورنہ انہیں جوں کا توں چھوڑ دو۔ تم اس شورہ پشتی اور بدظنی کا ارتکاب نہ کرو، یہ معاملات ان کے آپس کے معاملات ہیں۔ جانتے ہو کہ فرقِ مراتب نہ کرنا زندقہ کا باعث ہوتا ہے۔ "گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی"

اس سلسلہ میں اس وقت حافظ مرحوم کی نصیحت بہت بہتر ہے:

ع نصیحت گوش کن جاناکہ از جاں دوستر دارند
جوانانِ سعادتمند پندِ پیرِ دانا را

تمہارا مقام جو کچھ ہے وہ تحسین ہے۔ میرے نزدیک تو طالبِ علم کی فوز و فلاح اسی پر منحصر ہے کہ جو اقوال میں غور و خوض کرتا رہے وہ راہِ صواب کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ ع

وادیٔ عشق بسے دور و دراز ست ولے
طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے
در طلبِ کوش مدہ دامنِ امید ز دست
دولتے ہست کہ یابی سرِ راہے گاہے

اختلافِ حدیث!

اگر منظر بظاہر ایک حدیث دوسری حدیث کے خلاف واقع

ہو رہی ہو، تو اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ واقعتہً متناقض ہے بلکہ اس کی دو صورتیں ممکن ہے۔

اولاً۔ ایک حدیث مثلاً: وجوب کے لئے ہوگی اور دوسری استحباب کے لئے ہوگی۔

ثانیاً۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ان دونوں میں سے کوئی ایک منسوخ ہے۔ کیونکہ شارع علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے کلام میں تناقض و تضاد محال ہے۔ مثلاً: ایک شخص کہتا ہے کہ حدیث: مس ذکر" اور هل هو الا بضعة منك " یہ دونوں احادیث متعارض ہیں، تو یہ سر تا سر غلط ہے کیونکہ ایک کا تعلق متقین سے ہے اور دوسرے کا تعلق عوام سے ہے یا بالفاظ دیگر ایک حدیث قصد و ارادہ پر، اور دوسری حدیث بے اختیاری پر محمول ہے۔

مذاہبِ اربعہ!

چاروں مذاہب کے نام سے جو مسلک اس وقت دُنیا میں رائج ہیں۔ یا لوگ اُن سے منسوب ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل سمجھنا چاہیئے۔ ورنہ نہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ اُمّت کو کس تباہ کن مرحلہ سے گذرنا پڑتا، ان سے اعراض کی صورت میں جو

خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، اُن میں سے چند ایک ہیں :

اوّل ۔ یہ کہ اُمّت نے سلفِ صالحین کی معرفت شریعت پر اعتماد کرتے ہوئے ایک ہی کلمہ پر اتفاق کر لیا۔ تابعینؒ نے صحابہ کرامؓ کی معرفت شریعت پر لبیک کہا اور اس پر پورا پورا اعتماد کیا۔ اس کے بعد تبع تابعینؒ نے تابعینؒ پر اعتماد کیا۔ اس طرح ہر عہد میں لوگوں نے اپنے سے پہلے علماء پر اعتماد کیا، عقل کا بھی تقاضا یہی تھا کہ مستقبل کی تعمیر کرتے وقت ماضی کی تابناک قدروں کو بطور سنگ میل سامنے رکھا جائے۔ شریعت نقل و استنباط کے بغیر کس طرح پہچانی جاسکتی ہے، نقل کے لئے ضروری ہے کہ ماقبل کی روایات میں اتصال ہو۔ استنباط کے لئے ضروری ہے کہ متقدمین کے مذہب سے پوری واقفیت ہو، تاکہ جس راہ پر وہ چل چکے ہیں اس کے خلاف قدم نہ پڑ جائے اور اس طرح اُمت کی اجتماعیت اک خوابِ پریشان ہو کر نہ رہ جائے۔ پھر انہیں مذاہب کو بِنا قرار دے کر ان سے زندگی کے ہر موڑ پر مدد لی جائے، کیونکہ شرعی مسائل ہی نہیں بلکہ تمام علوم اور صنعتوں کا بھی حال ہے کہ زندگی ماضی کے تجربات ہوتے ہیں۔ گذشتہ لوگوں کے آثار و اقوال ہوتے ہیں، ہدایات ہوتی ہیں اور انسان کی اپنی اخاذ طبیعت ہوتی ہے، اس سلسلہ میں خود زندگی کا بھی یہی حال ہے کہ زندگی

اچانک زمین کی پستیوں سے نہیں ابھرتی، آسمان کی بلندیوں سے نہیں اترتی۔ بلکہ جو کچھ روز کسی کی انگلی تھام کر چلتی ہے پھر اس کو وراثت کے آداب و آئین خود میں سمونے پڑتے ہیں، پھر ان میں مہارت حاصل کی جاتی ہے تب کہیں جاکر انسان، انسان بنتا ہے، کچھ لوگ اسی منزل پر رہ جاتے ہیں اور کچھ لوگ ماضی کی دولتوں کو خود میں سمو کر مستقبل کے پرچم بردار بن جاتے ہیں ـــ بہر حال ماضی ایک ورثہ نہیں بلکہ زندگی کا نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے۔ جس زندگی میں ماضی کی صالح قدروں سے بغاوت ہے وہ زندگی جنون و جرم ہے۔

جب ہمیں اقوال سلف پر اعتماد ہوگیا تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم نے جن اقوال کو اپنی زندگی کا سرمایہ قرار دیا ہے وہ صحیح الاسناد ہوں یا ان مشہور کتابوں میں مدون ہوں جن میں مجملات کی تشریح راجح کی وجہ ترجیح اور احکام کی علتیں بیان کردی گئی ہوں، ورنہ اعتماد صحیح نہ ہوگا۔ یہ تمام شرطیں انہیں چاروں مذاہب میں ملتی ہیں۔

ثانیاً ـــ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے: "اتبعوا سواد الاعظم" یعنی: امت کی اکثریت کا ساتھ دو۔" اسی ارشادِ مبارک پر عمل کرنے کی صورت کیا ہو

گی۔ آج جبکہ مذاہب اربعہ کے علاوہ کوئی مسلک باقی نہیں رہ گیا تو پھر کس پر عمل ہوگا، آج کوئی نہیں بتا سکتا کہ حضرت سفیان ثوری رضی کا مسلک مکمل کیا تھا۔ متفرق و منتشر کچھ اجزاء ضرور ملتے ہیں، ان اجزاء کو آپ علمی ورثہ تو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ان پر کسی کی زندگی کی تعمیر ہو یہ محال ہے ایسی صورت میں ان مذاہب میں سے جس کی طرف طبیعت مائل ہو اسی کو اختیار کرلیا جائے اور اسی پر عمل سواد اعظم پر عمل ہوگا۔

ثالثاً ۔ زمانہ گذرتا گیا، خیر القرون سے بہت بعد ہو گیا۔ حیاتِ نبوی ؐ کا غلبہ ہوا، ہوس رانیوں کا عام طور پر مظاہرہ ہونے لگا۔ خصوصاً یہ خرابیاں چھٹی صدی ہجری میں پیدا ہو چکی تھی اور آج چودھویں صدی تک اپنا ہاتھ بڑھا چکی ہیں، بدعتوں کا ایک سیلاب تند ہے، اغراض و مقاصد کا تخت یا تختہ ہے۔ مذہب ایک آماجگاہِ ہوس ہے۔ آج اتنا اعتماد کسی صورت بھی ممکن نہیں جتنا آج سے پہلے تھا۔ آج ہر شخص چند صرفی نحوی قواعد کے سرمایہ پر اجتہاد کا غوغہ بلند کردیتا ہے، ایسے وقت میں اگر تقلید کو ضروری نہ کہا جائے تو کیا کیا جائے؟ ہر مجتہد خود کو مجتہد کہتا ہے۔ لیکن کتنے ہیں جو واقعی اس منصب کی اہلیت رکھتے ہیں۔ جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ جس کو قرآن و سنّت سے

واقفیت نہ ہو اس پر تقلید واجب ہے۔

اجتہاد چوتھی صدی ہجری کے شروع سے تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ اس صدی کے بعد جتنے بڑے بڑے محقق علماء آئے سب نے تقلید کی لیکن اجتہاد کا دعویٰ نہیں کیا۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ مرکز علم تھا۔ اس سلسلہ میں بے اختیار حضرت مولانا قاسم نانوتوی رح کا واقعہ یاد آ رہا ہے:

مسجد چھتہ، جو ایک تاریخی جگہ ہے۔ اس میں مولانا نانوتوی رح کا قیام تھا، ایک صاحب جو بزعم خویش مدعی اجتہاد تھے بطور خاص حضرت والا سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی، مولانا کی وسعت معلومات اور نظر کی گہرائی و گیرائی دیکھ کر اس شخص نے کہا: "حیرت ہے آپ اس مقام پر پہنچنے کے بعد بھی تقلید فرماتے ہیں۔" مولانا نے برجستہ فرمایا: "مجھ سے زیادہ باعث حیرت تو آپ ہیں کہ بایں جہالت و بے مغزی مدعی اجتہاد ہیں۔"

آج کی بدقسمتی کا تو یہ حال ہے کہ ان مجتہدین میں سے کسی سے دو آیتوں یا حدیثوں کے مابین تعارض کے دفعیہ کی صورت پوچھی جائے تو سارا اجتہاد کافور ہو جائے اس کے باوجود انہیں تقلید گوارا نہیں۔ اگر یہ تقلید نہ بھی تسلیم کریں تو کیا ائمہ کے

مقام بلند میں کوئی کمی آجائے گی ۔ چودھویں کا چاند اپنی تمام تر تابناکیوں کے ساتھ ساتھ جلوہ فگن ہوتا ہے اگر کوئی اس سے نگاہیں پھیرنا چاہئے تو پھیر لے مگر چاند پھر چاند ہے ۔

ائمہ اربعہ کے بعد

ائمہ کے بعد اگر کسی نے مطلق اجتہاد کا دعویٰ کیا ہے تو وہ طبری ہیں، ان کے علاوہ اور کسی شخص نے اس اہم کام کی جرأت نہیں کی، اور کرتا بھی تو کیسے کرتا ؟ بعض حضرات کا قول ہے : کہ باری تعالیٰ نے جس پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمایا اس نے ان مذاہب میں سے کسی کو اپنا لیا اور اس کا متبع ہو گیا، ان ائمہ حضرات کے مذاہب بروایت متصل آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعمال وافعال ہیں۔ آپؐ کے خلاف کسی بھی رائے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

عہدِ صحابہؓ میں فقہ !

عہدِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں فقہی احکام مدون صورت میں موجود نہ تھے، نہ انہیں اس کی ضرورت تھی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نظروں

کے سامنے تھے۔ جب بھی کوئی مسئلہ پیش آیا بارگاہِ رسالتؐ میں لیکر حاضر ہوئے۔ مجتہدین کی طرح ارکان، شروط، آداب وغیرہ کے متعلق اس قدر توجہ نہ تھی بلکہ جو عمل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کرتے ہوئے دیکھتے خود بھی اسی پر عمل کرتے۔ آپؐ جس طرح وضو فرماتے، صحابہؓ بھی اسی طرح کرتے۔ اسی طرح ہر مسئلہ کو قیاس کر لیجیئے۔ آپؐ نے کبھی یہ بیان نہیں فرمایا: کہ وضو کے فرائض چھ ہیں امام شافعیؒ، یا چار ہیں امام ابو حنیفہؒ۔ بلکہ صحابہؓ یہ سوال ہی بہت کم کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: میں نے اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر لوگ نہیں دیکھے انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کل تیرہ۱۳ مسائل پوچھے ہیں، جن میں قرآن میں: یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ، یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ، یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ " موجود ہیں۔ آپؐ سے غیر مفید سوالات نہیں کرتے بلکہ حسبِ ضرورت استفسار کرتے، آپؐ اس کا جواب دے دیتے۔ مقدمات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتے تو آپؐ ان کا فیصلہ فرما دیتے، لوگوں کو اچھا کام کرتے ہوئے دیکھتے تو آپؐ ہمت افزائی فرماتے۔ جب کوئی ناشائستہ عمل دیکھتے

تو ناپسند فرماتے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب کسی مسئلہ کے باب میں احادیث معلوم نہ ہوتے تو اور لوگوں سے سوال کر لیتے، صحابہ رضؓ کو بالخصوص اسی لئے جمع فرماتے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرتبہ دادی (جدہ) کی میراث پوچھی گئی، فرمایا: اس سلسلہ میں' میں نے کوئی حدیث آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سُنی۔ پھر ظہر کی نماز ادا کر کے اعلان فرمایا کہ تم لوگوں میں سے کسی کو جدہ کی میراث کے متعلق کیا کوئی حدیث معلوم ہے؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: مجھے معلوم ہے، فرمایا: کس قدر؟ عرض کیا: چھٹا (۱/۶) حصّہ۔ پوچھا: اور کسی کو معلوم ہے؟ تو محمد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تصدیق کی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھٹا حصّہ دِلوا دیا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل بھی رہا۔ سب سے عجیب واقعہ اس سلسلہ میں اس وقت پیش آیا، جب حضرت عمر رضؓ نے مسجدِ نبوی میں اضافہ کرنا چاہا، کیونکہ دائرۂ اسلام کی وسعت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی تھی اور ادھر پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت موجود تھی:

من بنی مسجدًا لِلّٰہِ بنی اللّٰہ لہٗ دارًا فی الجنۃ او

کما قال "اس سلسلہ میں امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد شریف کے قرب و جوار کے مکان والوں کو تین باتوں کا اختیار دیا، یا یہ کہ وہ قیمت لے لیں، یا بدلہ میں زمین لے لیں یا مسلمانوں کے لئے ایثار کریں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں باتوں سے انکار کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ معاملہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رکھا تو انہوں نے فرمایا: کہ اگر تم چاہو تو میں تم سے ایک حدیث بیان کروں: کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کرنی چاہی تو اس کے مربع شکل میں لانے کے لئے ایک مکان کو بیچ سے ہٹانا پڑتا تھا، مکان والا اس پر راضی نہ تھا، حضرت داؤد علیہ السلام نے بذریعہ طاقت مکان لے لیا۔ فوراً وحی ہوئی: کہ "میں ایسے مسجد سے خوش نہیں ہوں جس میں ایسی زمین شامل ہو۔" حضرت داؤدؑ جناب باری میں توبہ و استغفار کی تو توبہ قبول ہو گئی، مگر یہ کہدیا گیا کہ اس کی تعمیر تمہارے ہاتھوں مکمل نہ ہو سکے گی۔ چنانچہ ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں یہ تعمیر تکمیل پذیر ہوئی۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ارشاد سنکر بہت متردد

ہوئے اور سابقہ اقدام واپس لینا پڑا۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برضا و رغبت مکان وقف کر دیا۔ (مفہوم)

عہد نبوت اختتام کو پہنچا، اسلام کو فروغ حاصل ہوا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے متفرق شہروں کا رخ کیا، نئے نئے مسائل سامنے آئے، لوگوں نے استفسار کیا تو جو کچھ انہوں نے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا بیان کر دیا، اس کے ساتھ ساتھ اگر کوئی چیز آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے صادر نہ ہوئی تھی تو اس کے متعلق فیضان نبوت سے اجتہاد کیا، اختلاف نظر کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے۔ اس کی چند صورتیں تھیں:

اولاً۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو عمل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دیکھا اس پر بعض نے ثواب سمجھ کر عمل کیا، بعض نے مباح سمجھا۔ مثلاً: مثال کے طور پر طواف میں رمل کا مسئلہ ہے جمہور کے نزدیک سنت ہے، مگر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رمل سے مقصد صرف کفار کو اہل اسلام کی طاقت دکھانا تھی۔

ثانیاً۔ اندازہ کی وجہ سے اختلاف ہوا۔ آپ نے حج فرمایا، تو کسی نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو متمتع سمجھا، کسی نے قارن کہا اور کسی نے مفرد۔

ثالثاً۔ سہو ونسیان کی وجہ اختلاف ہوا، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ماہِ رجب میں عمرہ کیا۔ جب یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا: ابن عمر رضی اللہ عنہ کو سہو ہو گیا۔

رابعاً۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کسی واقعہ کو لوگوں نے مختلف طور پر ضبط کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: کہ "جب میت پر اس کے گھر والے روتے ہیں تو اس پر عذاب ہوتا ہے۔" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: کہ یہ واقعہ یوں ہوا تھا کہ ایک مرتبہ ایک یہودیہ کا انتقال ہوا حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس طرف سے گذرے تو گھر والے رو رہے تھے آپ نے فرمایا: کہ "اس کو تو قبر میں عذاب ہو رہا ہے اور یہ رو رہے ہیں۔" اس سے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ رونے کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔

خامساً۔ احکام کی علتوں کے باب میں اختلاف ہو، جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنازہ دیکھ کر قیام فرمایا۔ بعض نے کہا کہ ملائکہ کی تعظیم کرتے ہوئے کھڑے ہو جانا چاہیئے خواہ جنازہ مسلمان کا ہو یا کافر کا، بعض نے کہا کہ موت کے ڈر سے کھڑا ہو جانا چاہیئے کافر و مسلمان کے جنازہ میں کوئی تخصیص

نہیں۔ دوسرے لوگوں نے کہا: کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وآلہ وسلم کے پاس سے ایک یہودی کا جنازہ گذرا تو آپ کھڑے ہو
گئے، پھر دوسری بار آپ کھڑے نہیں ہوتے اور قیام صرف مسلمان کے
ساتھ مخصوص ہو گیا۔

سادساً۔ دو روایتوں میں تطبیق دینے کی صورت میں
اختلاف ہو۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر میں متعہ کی رخصت دی
تھی پھر اس کی ممانعت فرمادی، عام اوطاس میں پھر اس کی اجازت
مل گئی۔ عام اوطاس کے بعد پھر آپ نے ممانعت فرمادی۔ اس واقعہ
کی وجہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ فرماتے ہیں کہ ضرورت کے
وقت متعہ جائز ہے اور حکم اپنی جگہ پر بحالہ باقی ہے۔ جمہور کا فیصلہ
ہے کہ رخصت مباح تھی لیکن بعد میں ممانعت ہو گئی اس لئے منسوخ ہو گئی
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے استنجا کے وقت
استقبال قبلہ سے منع فرمایا، بعض حضرات نے اس حکم کو عام قرار
دیا اور غیر منسوخ کہا۔ ادھر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وفات
سے ایک سال پہلے دیکھا گیا کہ استقبالِ قبلہ کر کے استنجا فرما رہے
ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا گیا کہ استدبار قبلہ
کر کے استنجا کیا۔ یہ دو مختلف اعمال ہیں ان میں کچھ لوگوں نے

تطبیق دیتے ہوئے کہا: کہ میدان میں استقبالِ قبلہ اور استدبار دونوں ناجائز ہیں، لیکن بیت الخلاء میں کوئی حرج نہیں۔ دوسرے لوگوں نے کہا کہ یہ حکم صریح ہے اس لئے اس میں نسخ اور تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔

سابعًا — کسی صحابیؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی فتویٰ سنا یا کسی مقدمہ کا فیصلہ سنا، لیکن دوسرے نے نہیں سنا۔ معاملہ پیش آنے پر اس اجتہاد سے کام لیا۔ اس کی بھی چند صورتیں ہیں۔

کبھی اجتہاد حدیث کے موافق ہوتا ہے۔ مثلًا ابھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ گذرا ہے۔ اس فتویٰ کے بعد حضرت معقل بن سنانؓ کھڑے ہوتے اور کہا: کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بروع بنت واشق کے متعلق یہی فیصلہ فرمایا تھا" حضرت ابن عباسؓ کو اپنے اس موافقِ سنت فیصلہ پر حد درجہ مسرت ہوئی۔ (نسائی)

دوسرے یہ کہ اجتہاد سے صحابیؓ رجوع کرے۔ مثلًا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب تھا کہ جو شخص روزہ میں جنبی ہو گیا تو اس کا روزہ ختم ہو گیا، جب انہیں ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کے مذہب کا پتہ چلا تو انہوں نے رجوع کر لیا۔

تیسرے یہ کہ اُن تک کوئی حدیث نہ پہنچی۔ مثلاً: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: کہ عورتیں نہاتے وقت اپنی چوٹیاں کھول لیا کرے، جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا: کہ ابن عمرؓ پر تعجب ہے کہ وہ عورتوں کو چوٹی کھولنے کا حکم دیتے ہیں، یہ کیوں نہ کہدیا کہ سر منڈالیں۔ میں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے۔

چونکہ صحابہؓ میں اختلافِ مذہب تھا، اُن کے بعد تابعینؒ کو جو مذہب پسند آیا اور آسان معلوم ہوا اُس پر عمل شروع کر دیا۔ دوسرے مذاہب خواہ وہ کبارِ صحابہؓ کا ہی کیوں نہ ہو نظر انداز کر دیا۔ ہر شہر میں اساتینِ علم پیدا ہو گئے۔ مدینہ منوّرہ سعید ابن المسیب، سالم بن عبداللہ بن عمرؓ، مکہ میں عطاء بن ابی رباح اور زہری، بصرہ میں حسن بصری، کوفہ میں ابراہیم نخعی اور شعبی، یمن میں طاؤس ابن کیسان اور شام میں مکحول جیسے حضرات موجود تھے رحمہم اللہ اجمعین)

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت کو تدوین مسائل کی طرف لگا دیا انہوں نے وضو، غسل، نماز، نکاح، بیع وغیرہ کے مسائل جمع کئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث نقل کئے، فتویٰ جمع کئے اجتہاد کیا۔ کتاب و سنّت، اقوال صحابہؓ اور ان کے آثار کو سامنے

رکھتے ہوئے صحابہؓ اور تابعینؒ کے طریقہ پر مسائل کا استنباط کیا، جب بھی کوئی مسئلہ پیش آیا کتاب و سنّت میں تفحص و تلاش کے بعد اقوالِ صحابہؓ پر نظر ڈالی، ہر شہر کے آدمی اپنے یہاں کے مجتہد کے مسلک پر عمل کرنے لگے۔ مدینہ منوّرہ کے لوگوں نے سعید بن مسیّبؓ کے مسلک پر عمل کیا۔ اُن کا مسلک حضرت عثمان، حضرت عائشہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے موافق ہے۔ کوفہ والوں نے حضرت ابن مسعود حضرت علی بن ابی طالب، حضرت شعبی اور حضرت ابراہیم نخعی رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کے مسلک پر عمل کیا۔ لیکن اس میں بھی اختلاف پیدا ہوا تو فقہ کی باقاعدہ طور پر تدوین کی ضرورت پیش آئی تو سب سے پہلے حضرت امام مالکؒ کی اس کی طرف متوجہ کیا گیا کہ وہ باقاعدہ طور پر فقہ کی تدوین کریں۔

امام ابو حنیفہؓ نے حضرت ابراہیم نخعیؓ کا اتباع کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے تحقیق علوم اور استخراج کا خاص ملکہ عطا کیا تھا۔ آپ کے اصحاب میں ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں۔ ہارون رشید کے عہد میں امام ابو یوسفؒ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا گیا جس کی وجہ سے عراق، خراسان، ماوراء النہر کی علاقہ میں یہ مذہب کافی شائع ہو گیا، امام محمدؒ نے درس تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ موطا امام

مالک ؒ پڑھا پھر وطن واپس آکر ہر مسئلہ کو اصحاب رضی رسول صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم کے مذہب پر جانچا، جسکو صحابہ رضی کے خلاف پایا کسی
قسم کی تخریج ضعیف نظر آئی اسے ترک کر دیا اور خود ایک تصنیف کی
جس میں امام صاحب رضی کے اقوال اور آراء جمع کر دیئے جس کی وجہ سے
متبعین نے اس کو بہت ذوق و شوق سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

جس وقت مذہب کا ظہور ہو رہا تھا، اصول و فروع کی ترتیب
ہو رہی تھی اسی وقت حضرت امام شافعی ؒ کی ولادت مسعود ہوئی،
انہوں نے بھی علوم و معارف حاصل کئے، اصول فقہ مرتب کیا، کتابیں
تصنیف کی فقہا نے اُن کے اصول پر استخراج و استنباط کے متبعین مختلف
شہروں میں ہوتے گئے اور ان علوم کی دولت سے مالا مال ہوئے۔
امام شافعی ؒ نے ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل ؒ کو ایک خط میں لکھا تھا
کہ اگر تمہارے پاس کوئی صحیح حدیث پہنچے اسے قبول کر لو اور اس سے
پہلے جو کچھ ہم نے اور دوسروں نے کہا ہے اسے چھوڑ دو، حدیث
کی حفاظت کرو۔

زکریا انصاری ؒ فرماتے ہیں کہ اگر آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
کی تفسیر اور مجتہدین کے اقوال ہمارے سامنے نہ ہوتے تو بلا ہم کیسے
کتاب و سنّت سمجھ پاتے۔ اور اصل مجتہدین کے اقوال نصوص شارع
ہیں اس کی تائید بھی علماء ہی کے قول سے ہوتی ہے مثلاً: ایک شخص

نے چار رکعتیں، چار سمت سے اجتہاد سے پڑھیں اس پر قضا نہیں ہے، کیونکہ اسے یقین ہے کہ یہی جہت صحیح ہے۔ اس کی تائید میں شعرانی کہتے ہیں کہ مجتہدین حقیقتاً وارث انبیاء ہیں۔ انبیاء و رسل کے مراتب اتنے بلند و رفیع ہیں کہ ان کے وارث صرف مجتہدین ہو سکتے ہیں، آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے باری تعالیٰ کے ارشاد کے ماتحت اجتہاد جائز قرار دیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

ولو ردوہ إلی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ "	اگر یہ لوگ اللہ کے رسول کی طرف یا ذمہ دار حضرات کی طرف لوٹا دیتے ہیں وہ بذریعہ استنباط اس بات کو سمجھ لیتے ہیں۔ "

استنباط و اجتہاد ایک تشریعی امر ہے لہٰذا ہر مجتہد تشریع کے لحاظ سے مصیب ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ائمہ مجتہدین کا کیا مقام ہے انہوں نے کتنی بلند خدمت انجام دی ہے انکی تقلید خود ایک بلندی ہے۔

تجھے ایک نسبت خاص ہے نگہ بلند شعار سے ∴ ترا کام شیشہ گری نہیں کہ ہے ترس شکستگی

اگر دوسروں کی نہیں تو کم از کم ہماری فہم سے ضرور بالاتر ہے کہ آج چند رسالے، چند کتابیں پڑھکر اجتہاد کا دعوی کر بیٹھتے ہیں کیونکہ آج غزالیؒ، رازیؒ، سبکیؒ و ترمذیؒ جیسی بلند نظر رکھتا ہو، معلوم ہوا کہ انہوں نے اجتہاد کا دعوی نہیں کیا۔ بڑائی کا راز بڑائی میں نہیں بلکہ بڑائی کے اعتراف میں مضمر ہے۔ ∴ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ضمیمہ حصہ دوم

منقول از افاداتِ حضرت علامہ شاہ ابوالحسن زید مجددی فاروقی ؒ ـــ

حضرت امام الائمہ کی تعریف
حضرات ائمہ کی زبانی

علامہ فقیہ قاضی ابوعبداللہ حسین بن علی صیمری حنفی متوفی ۴۳۶ھ نے اپنی کتاب " اخبار ابی حنیفہ و صحابہ" میں لکھا ہے : کہ :

نصر بن علی جہضمی ؒ نے کہا :

كُنْتُ يَوْمًا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دَاؤدَ الْخُرَيْبِيِّ فَذَكَرَ رَجُلٌ اَبَا حَنِيْفَةَ فَنَالَ مِنْهُ ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاؤدَ ، حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَاْتِيْكُمْ اَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ اَرَقُّ قُلُوْبًا وَ اَلْيَنُ اَفْئِدَةً ـ يُرِيْدُ

اَفْوَاهِهِمْ اَنْ يَضَعُوْهُمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يَرْفَعَهُمْ ۔“

حضرت عبداللہ بن داؤد خریبی کے پاس ایک شخص نے حضرت ابو حنیفہؒ کو برا کہا۔ انہوں نے فرمایا: امام ابو حنیفہؒ اس حدیث کے مصداق ہو رہے ہیں جو ہم سے حضرت اعمشؒ نے ان سے حضرت مجاہدؒ نے ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس یمن کے لوگ آئیں گے ان کے دل رقیق اور نرم ہوں گے، لوگ ان کو ذلیل کرنا چاہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو رفعت دے گا۔“

عبداللہ بن داؤدؒ نے کہا:

”لَا يَتَكَلَّمُ فِيْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اِلَّا اَحَدُ رَجُلَيْنِ اِمَّا حَاسِدٌ لِعِلْمِهٖ وَ اِمَّا جَاهِلٌ بِالْعِلْمِ لَا يَعْرِفُ قَدْرَ حَمَلَتِهٖ “

ابو حنیفہؒ پر رد و قدح کرنے والے، یا تو ان کے علم سے حسد کرنے والا ہے، یا علم کے مرتبہ سے جاہل ہے۔ وہ علم کے حاملوں کی قدر سے بے خبر ہیں۔“

”قَالَ اَبُوْ نُعَيْمٍ سَمِعْتُ سُفْيَانَ يَقُوْلُ اَبُوْ حَنِيْفَةَ فِي الْعِلْمِ مَحْسُوْدٌ ۔“

سفیانؒ نے کہا: علم میں ابو حنیفہؒ سے لوگ حسد کرتے ہیں“

”قَالَ ثَابِتُ الزَّاهِدُ كَانَ الثَّوْرِيُّ اِذَا سُئِلَ عَنْ

مَسائِلَ دَقِيقَةٍ يَقُولُ مَا كَانَ اَحَدٌ يُحسِنُ اَنْ يَتَكَلَّمُ فِى هٰذَا الاَمرِ اِلَّا رَجُلٌ قَدْ حَسَدْنَاهُ، ثُمَّ يَسأَلُ اَصْحَابَ اَبِى حَنِيفَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا يَقُولُ صَاحِبُكُمْ فَيَحفَظُ الجَوَابَ ثُمَّ يُفتِى بِهٖ۔"

ثابت زاہدؒ نے کہا: جب ثوریؒ سے کوئی دقیق مسئلہ پوچھا جاتا تھا تو کہتے تھے، ایسے مسائل میں صحیح طور پر بولنے والا، صرف ایک شخص تھا جس سے ہم نے حسد کیا، اور وہ پھر ابو حنیفہؒ کے اصحاب سے پوچھتے تھے کہ اس مسئلہ میں تمہارے استاد کیا کہتے تھے اور آپ اصحاب کے جواب کو یاد رکھتے تھے۔ اور اس پر فتویٰ دیتے تھے۔"

قَالَ علی بن المدینی سمعت یوسف بن خالد السمتی یقول کُنَّا نُجَالِسُ الْبَتِّیَّ بالبصرة فلما قدمنا الکوفة جالسنا ابا حنیفة فاین البحر من السواقی۔ فلا یقول احد یذکرہ اَنَّہٗ رأی مثلہ، ما کان علیہ فی الحلم کلفة وکان محسودا۔"

علی بن مدینیؒ نے کہا، میں نے یوسف بن خالد سمتی سے سنا کہ بصرہ میں ہم بتیؒ کے پاس بیٹھے تھے اور جب ہم کوفہ آئے اور ابو حنیفہؒ کے پاس بیٹھے، کہاں سمندر اور کہاں پانی کی نالی، جس

نے بھی اُن کو دیکھا ہے وہ یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ اس نے ان کا مثل دیکھا ہے۔ علم میں ان کے لئے کوئی دِقّت نہ تھی، اور نہ اُن سے حسد کیا جاتا تھا۔"

"قَالَ مِسعر، مَا احسدُ بِالکوفۃِ اِلّا رجلین۔ اَبَا حَنِیفَۃَ لِفِقھِہٖ وَالحسن بن صالح لِزُھدِہٖ۔"

مِسعرؒ کہتے ہیں: کوفہ میں دو آدمیوں سے مجھ کو رشک ہوتا ہے فِقہ کی وجہ سے ابو حنیفہؒ اور زہد کی وجہ سے حسن بن صالحؒ سے۔

"کَانَ یَحییٰ بن مَعِینٍ اِذَا ذُکِرَ لَہٗ مَن یَتَکَلَّمُ فِی اَبِی حَنِیفَۃَ یَقُولُ۔"

(ترجمہ) ۱۔ حَسَدُوا الْفَتَیٰ اِذْ لَمْ یَنَالُوا سَعْیَہٗ
فَالْقَومُ اَضْدَادٌ لَہٗ وَخُصُومٌ

۲۔ کَضَرَائِرِ الْحَسْنَاءِ قُلْنَ لِوَجْھِھَا
حَسَدًا وَبُغْضًا اِنَّہٗ لَدَمِیمٌ

یحییٰ بن معینؒ سے اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ پر طعن کرنے والے کا ذکر کیا جاتا تھا، تو وہ یہ دو شعر پڑھتے تھے:۔

۱۔ جب اس جوان کے مرتبہ کو نہ پا سکے تو اس سے حسد کرنے لگے اور ساری قوم اس کی مخالف اور دشمن ہے۔

۲۔ جس طرح حسینہ کے چہرے کو دیکھ کر اس کی سوکنیں

حسد اور عداوت کی بنا پر کہتی ہیں کہ یہ بد صورت ہے۔"

صیمری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے نقل کیا ہے :۔ کہ،

" ایک شخص قاضی ابن شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اپنا دعوٰی لے گیا، ابن شبرمہ نے اس کے خلاف فیصلہ کیا۔ وہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اُس سے واقعہء دعوٰی بیان کیا حضرت امام صاحب رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ حکم خطا ہے اور ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ کی صحیح صورت لکھ کر اس شخص کو دی۔ وہ شخص آپ کی تحریر ابنِ شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے گیا، وہاں قاضی ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ ان دونوں کو یہ معلوم نہ ہوا کہ مسئلہ کس نے لکھا ہے۔ لہٰذا وہ دونوں مسئلہ پڑھ کر خوش ہوئے اور شخص مذکور سے دریافت کیا کہ یہ تحریر کس کی ہے اس نے ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ چنانچہ ان دونوں نے اس واقعہ کو آپکے ابتلا کا ذریعہ بنایا۔ اور ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے معلوم ہونے پر یہ شعر کہے:

۱- اِنْ یَحْسُدُوْنِیْ فَاِنِّیْ غَیْرُ لَائِمِهِمْ
قَبْلِیْ مِنَ النَّاسِ اَهْلُ الْفَضْلِ فَقَدْ حُسِدُوْا

۲- فَدَامَ بِیْ وَبِهِمْ مَا بِیْ وَمَا بِهِمْ
وَمَاتَ اَکْثَرُنَا غَیْظًا بِمَا یَجِدُ

(ترجمہ) ۱۔ اگر وہ مجھ سے حسد کرتے ہیں تو میں ان کو ملامت نہیں کرتا، کیونکہ مجھ سے پہلے بہت سے اصحابِ کمال سے حسد کیا جاچکا ہے۔

۲۔ ہمیشہ رہے مجھ سے جو مجھ میں ہے، اور ان میں (حاسد وں میں) جو اُن میں ہے اور ہم میں سے اکثر اس غیظ کی وجہ سے جو اُن میں مر چکے ہیں۔"

اسماعیل بن سالمؒ نے بیان کیا کہ "قاضی کا عہدہ قبول کرنے کے سلسلہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کو (کوڑے) مارے گئے، اور آپ نے قبول نہیں کیا اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پاس جب اس کا ذکر کیا جاتا تو آپ روتے اور حضرت ابو حنیفہؒ پر ترحّم (رحمتہ اللہ علیہ) کرتے۔ اور یہ اس کے بعد جب کہ حضرت امام احمد بن حنبل کو کوڑے (خلق قرآن کے سلسلہ میں) لگے۔

حضرت ابن مبارک رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے:

"اَلرِّجَالُ فِي الْاِسْمِ سَوَاءٌ حَتّٰى يَقَعُ الْمِحَنُ فِي الْاَنَامِ وَالْبَلْوٰى وَلَقَدْ ابْتُلِيَ اَبُوْحَنِيْفَةَ بِالضَّرْبِ عَلٰى رَاسِهٖ بِالسِّيَاطِ فِي السِّجْنِ حَتّٰى يَدْفَعَ اِلَيْهِ مِنَ الْحُكْمِ مَا يَرٰى مِمَّا يُتَنَافَسُ عَلَيْهِ وَيُتَصَنَّعُ لَهٗ، فَحَمِدَ اللّٰهَ، فَصَبَرَ عَلٰى

الذُّلِّ وَالضَّرْبِ وَالسِّجْنِ لِطَلَبِ السَّلَامَةِ فِي دِيْنِهِ۔"

نام میں سب لوگ برابر ہیں، البتہ جب کوئی آفت لوگوں میں پڑتی ہے اور کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے (تو پتہ چلتا ہے) ابو حنیفہؒ پر آفت پڑی۔ آپ کے سر پر قید خانہ میں کوڑے مارے گئے، تاکہ آپ کو حکم کا وہ پروانہ دے دیا جائے جس کیلئے لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تعریف اللہ ہی کو ہے کہ آپ نے اس ذلّت پر، مار پر، قید ہونے پر صبر کیا اور آپؒ اپنے دین کی سلامتی کے طالب رہے۔"

قَالَ زَائِدَةُ رَأَيْتُ تَحْتَ رَأْسِ سُفْيَانَ كِتَابًا يَنْظُرُ فِيهِ فَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي النَّظَرِ فِيهِ فَدَفَعَهُ إِلَيَّ فَإِذَا هُوَ كِتَابُ الرَّهْنِ لِأَبِي حَنِيفَةَ فَقُلْتُ لَهُ تَنْظُرُ فِي كُتُبِهِ، فَقَالَ وَدِدْتُ أَنَّهَا كُلَّهَا عِنْدِي مُجْتَمِعَةً أَنْظُرُ فِيهَا۔ مَا بَقِيَ فِي شَرْحِ الْعِلْمِ غَايَةٌ وَلٰكِنَّا مَا نُنْصِفُهُ۔"

زائدہؒ نے کہا: میں نے سفیانؒ کے سر کے نیچے ایک کتاب رکھی دیکھی جس کو وہ دیکھا کرتے تھے، میں نے اُن سے اس کتاب کے دیکھنے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے وہ کتاب مجھ کو دی، وہ کتاب ابو حنیفہؒ کی کتاب الرہن تھی۔ میں نے اُن سے کہا: کیا تم اُن کی کتاب دیکھتے ہو؟

انھوں نے کہا: میری خواہش ہے کہ ان کی سب کتابیں میرے پاس جمع ہوں، علم کے بیان کرنے میں ان سے کوئی بات رہی نہیں ہے۔ لیکن ہم ان کے ساتھ انصاف نہیں کرتے ہیں۔"

"قَالَ حُسَيْنُ بْنُ حَمَّادٍ، كَانَ أَصْحَابُ أَبِي حَنِيفَةَ الَّذِينَ كَانُوا يَلْزَمُونَ الْحَلْقَةَ عَشَرَةً وَكَانَ الْحُفَّاظُ لِلْفِقْهِ كَمَا يُحْفَظُ الْقُرْآنُ أَرْبَعَةً وَهُمْ زُفَرُ بْنُ الْهُذَيْلِ وَيَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْقَاضِي وَأَسَدُ بْنُ عَمْرٍو وَعَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، وَيَزْعُمُونَ أَنَّ سُفْيَانَ كَانَ يَأْخُذُ الْفِقْهَ مِنْ عَلِيِّ بْنِ مُسْهِرٍ مِنْ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَنَّهُ اسْتَعَانَ بِهِ وَبِمُذَاكَرَتِهِ عَلَى كِتَابِهِ هٰذَا الَّذِي سَمَّاهُ الْجَامِعَ۔"

حُسین بن حمادؒ نے بیان کیا: کہ حضرت ابو حنیفہؓ کے وہ اصحاب جو پابندی سے حلقہ میں شریک ہوا کرتے تھے اور ان میں فقہ کے ایسے حفاظ جس طرح قرآن مجید کے حفاظ ہوا کرتے ہیں۔ چار افراد تھے اور وہ (۱) زفر بن الہذیلؒ، (۲) القاضی ابو یوسف بن ابراہیمؒ، (۳) اسد بن عمرؒ اور (۴) علی بن مسہرؒ تھے۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ سفیان ثوریؒ نے علی بن مسہرؒ کے مذاکرہ سے اپنی کتاب "الجامع" کی تالیف میں مدد لی ہے

"قَالَ اَحْمَدُ حَدَّثَنَا ابنُ سَمَاعَةَ عَنْ اَبِي يُوسُفَ قَالَ كَانَ اَبُو حَنِيْفَةَ إِذَا بَلَغَهُ عَنْ سُفْيَانَ مَا يَقُولُ فِيْهِ مُبَلِّغٌ مِنْهُ (كَانَ يَقُولُ). " هُوَ حَدِيْثُ عَهْدٍ وَالْأَحْدَاثُ لَهُمْ حِدَّةٌ۔"
فَكَانَ إِذَا اَقْبَلَ قَالَ ۔هُوَ حَدِيْثُ السِّنِّ۔"
قَالَ (وَكَانَ يَقُولُ سُفْيَانُ) : يِكَمْ هُوَ النَّبَطِيُّ اَكْبَرُ سِنًّا مِنِّي حَتَّى صَغَّرَنِي۔" وَلَا يَسْتَحِلُّ اَبُو حَنِيْفَةَ اَنْ يَقُولُ فِيْهِ شَيْئًا غَيْرَ اَنَّهُ حَدِيْثُ السِّنِّ۔"

احمدؒ نے کہا : کہ ابن سماعہؒ نے (قاضی) ابو یوسفؒ سے نقل کیا کہ امام ابو حنیفہؓ سے کوئی بیان کرنے والا جب سفیانؒ کی کوئی بات کہتا تھا تو آپ فرماتے تھے : وہ نو عمر ہیں، اور نو عمروں میں کچھ گرمی ہوتی ہے۔ اور جب سفیانؒ سامنے سے آتے تھے۔ آپ فرماتے تھے وہ نو عمر ہیں۔ سفیان ثوریؒ (جھنجھلا کر) کہہ دیا کرتے تھے : یہ غیر عربی مجھ سے کتنا بڑا ہے کہ وہ مجھ کو چھوٹا بناتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؓ لفظ حدث السّن (نو عمر) کے علاوہ کچھ کہنے کو جائز نہیں رکھتے تھے۔"

یہ عاجز کہتا ہے کہ امام ثوریؒ کی وفات ۱۶۱ھ میں ہوئی

ہے، اور اس وقت آپ کی عمر چھیاسٹھ ۶۶ سال کی تھی۔ اس اعتبار سے آپؒ کی ولادت ۹۵ھ کی ہوئی اور آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے پندرہ ۱۵ سال چھوٹے ہوئے۔ حضرت ابوحنیفہ کی وفات کے بعد حضرت امام ثوریؒ کا دورِ کلاں سالی شروع ہوا اور خود اُن کو محسوس ہوگیا کہ وہ اپنی جھنجھلاہٹ میں قابلِ مواخذہ لفظ کہہ جاتے تھے، اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے طلب گار ہوتے تھے۔ غفر اللہ لہٗ

"قَالَ اَبُوْ یَحْیٰی یَمَانِیْ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ اَنَّہٗ قَالَ مَنْ نَذَرَ نَذْرًا فِیْ مَعْصِیَۃٍ فَلَا کَفَّارَۃَ فِیْہِ قَالَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ فَقُلْتُ لِلشَّعْبِیِّ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ فِی الظِّھَارِ الْکَفَّارَۃَ وَ قَدْ جَعَلَہٗ مَعْصِیَۃً لِاَنَّہٗ قَالَ، "وَاِنَّھُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْکَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا" فَقَالَ اَقِیَّاسٌ اَنْتَ۔

حضرت ابو یحییٰ یمانیؒ نے ہم سے کہا، کہ حضرت ابوحنیفہؒ نے شعبیؒ سے اور انہوں نے مسروقؒ سے روایت کی ہے: کہ جس نے کسی گناہ کی نذر مانی اور وہ نذر پوری نہ کرے تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔ حضرت ابوحنیفہؒ کہتے ہیں: کہ میں نے شعبیؒ

سے کہا: کہ اللہ تعالیٰ نے ظہار میں کفارہ مقرر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو گناہ قرار دیا ہے۔ وہ (سورہ مجادلہ کی دوسری آیت مبارکہ میں) فرماتا ہے: "اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسند بات اور جھوٹ۔" علامہ شعبی رح نے کہا: کیا تم قیاس کرنے والے ہو۔؟"

"قَالَ حَمَّادُ بن زَيْدٍ اَرَدْتُ الْحَجَّ فَأَتَيْتُ اَيُّوبَ اُوَدِّعُهُ فَقَالَ بَلَغَنِي اَنَّ الرَّجُلَ الصَّالِحَ فَقِيْهَ اَهْلِ الْكُوفَةِ اَبُو حَنِيْفَةَ يَحُجُّ فَاِنْ لَقِيْتَهُ فَاقْرَأْهُ مِنِّي السَّلَامَ قَالَ اَبُو سُلَيْمَانَ وَسَمِعْتُ حَمَّادَ بن زَيْدٍ يَقُولُ، اِنِّي لَاُحِبُّ اَبَا حَنِيْفَةَ مِنْ اَجْلِ حُبِّهِ لِاَيُّوبَ۔"

حماد بن زید رح نے کہا: میں نے حج کا ارادہ کیا اور میں ایوب رح کے پاس آیا کہ ان سے رخصت لوں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا: کہ نیک مرد اہل کوفہ کے فقیہ حضرت امام ابو حنیفہ رض حج کر رہے ہیں اگر ان سے تمہاری ملاقات ہو جائے، میرا سلام ان سے کہہ دو، ابو سلیمان رح نے بیان کیا کہ میں نے حماد بن زید رح کو کہتے سنا: کہ میں ابو حنیفہ رض سے محبت رکھتا ہوں کیونکہ ان سے ایوب کو محبت ہے۔ ایوب مشہور محدث ہیں۔"

"اَرَادَ الْاَعْمَشُ الْحَجَّ فَقَالَ مَنْ هٰهُنَا يَذْهَبُ اِلٰى اَبِيْ حَنِيْفَةَ يَكْتُبُ لَنَا مَنَاسِكَ الْحَجِّ۔"

مشہور محدّث حضرت اعمش رحؒ نے حج کا ارادہ کیا۔ انھوں نے کہا: کوئی یہاں ہے کہ وہ ابو حنیفہ رضؓ کے پاس جاکر ہمارے واسطے حج کے مناسک لکھوا لائے۔"

نصر بن علی رحؒ نے کہا: ہم شعبہ رحؒ کے پاس تھے۔ ان سے کہا گیا:

"مَاتَ اَبُوْحَنِيْفَةَ فَقَالَ بَعْدَ مَا اسْتَرْجَعَ لَقَدْ طَفِيَ عَنْ اَهْلِ الْكُوْفَةِ ضَوْءُ نُوْرِ الْعِلْمِ اَمَا اَنَّهُمْ لَا يَرَوْنَ مِثْلَهُ اَبَدًا۔"

ابو حنیفہ رضؓ کی وفات ہوگئی۔ انھوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھ کر کہا: اہلِ کوفہ سے علم کے نور کی روشنی بجھ گئی، جان لو کہ اب اہلِ کوفہ اُن کا مثل کبھی نہ دیکھیں گے"

"قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ اَبِيْ كَانَ الْاَعْمَشُ اِذَا سُئِلَ عَنْ مَسْئَلَةٍ قَالَ عَلَيْكُمْ بِتِلْكَ الْحَلْقَةِ يَعْنِيْ حَلْقَةَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ۔"

ابن نمیر رحؒ سے ان کے والد نے کہا: جب حضرت اعمش رحؒ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا، وہ کہتے تھے، تم اس حلقہ میں جاؤ، یعنی

ابو حنیفہؒ کے حلقہ میں۔"

"قَالَ ابنُ الدَّرَاوَرْدِيّ رَأَيْتُ مَالِكًا وَأَبَا حَنِيفَةَ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بَعْدَ العِشَاءِ الْآخِرَةِ وَهُمَا يَتَذَاكَرَانِ وَيَتَدَارَسَانِ حَتّٰى إِذَا وَقَفَ أَحَدُهُمَا عَلَى الْقَوْلِ الَّذِي قَالَ بِهٖ وَعَمِلَ عَلَيْهِ أَمْسَكَ أَحَدُهُمَا عَنْ صَاحِبِهٖ مِنْ غَيْرِ تَعَسُّفٍ وَلَا تَخْطِئَةٍ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا حَتّٰى يُصَلِّيَا الْغَدَاةَ فِي مَجْلِسِهِمَا ذَالِكَ۔"

حضرت ابن دراوردیؒ نے بیان کیا: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد شریف میں عشاء کی نماز کے بعد حضرت امام مالکؓ اور حضرت امام ابو حنیفہؓ کو دیکھا کہ وہ دونوں صاحب آپس میں مذاکرہ اور مدارسہ کر رہے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی اپنے قول یا اپنے عمل کی وجہ سے رک جاتا تھا تو دوسرا بغیر کسی تعسف یا خطاوار قرار دینے کے آگے بڑھ جاتا تھا۔ اور یہ مجلس صبح کی نماز تک رہی۔ ان دو صاحبان نے صبح کی نماز اسی جگہ پڑھی۔"

"قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ أَتَيْتُ سَعِيدَ بْنَ أَبِي عَرُوبَةَ فَقَالَ لِي يَا أَبَا مُحَمَّدٍ مَا رَأَيْتُ مِثْلَ هَدَايَا

تَاتِيْنَا مِنْ بَلَدِكَ مِنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ۔ وَدِدْتُ أَنَّ اللّٰهَ أَخْرَجَ الْعِلْمَ الَّذِيْ مَعَهُ إِلَىٰ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَقَدْ فَتَحَ اللّٰهُ لِهٰذَا الرَّجُلِ فِي الْفِقْهِ شَيْئًا كَأَنَّهُ خُلِقَ لَهُ۔"

حضرت ابن عُیَیْنَہ ؒ نے کہا: میں حضرت سعید بن ابی عروبہ ؒ کے پاس گیا، انہوں نے مجھ سے کہا: اے ابو محمد! میں نے ان ہدایا کا مثل نہیں دیکھا ہے جو تمہارے شہر سے حضرت ابو حنیفہ رضؓ کے پاس سے ہمارے پاس آتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے علمِ مخزون کو "قلوبِ مومنین پر کھول دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آدمی (حضرت ابو حنیفہؒ) پر فقہ کے اسرار کھول دیئے ہیں گویا کہ اُن کی تخلیق اسی کام کیلئے تھی۔"

"قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ، ذُكِرَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ بَيْنَ يَدَيْ دَاوُدَ الطَّائِيِّ فَقَالَ ذَالِكَ نَجْمٌ يَهْتَدِيْ بِهِ السَّارِيْ وَعِلْمٌ تَقْبَلُهُ قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِيْنَ فَكُلُّ عِلْمٍ لَيْسَ مِنْ عِلْمِهِ فَهُوَ بَلَاءٌ عَلَىٰ حَامِلِهِ، مَعَهُ وَاللّٰهِ عِلْمٌ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالنَّجَاةُ مِنْ عَذَابِ الْجَبَّارِ مَعَ وَرَعٍ مُسْتَكِنٍّ وَجِدٍّ مِنْهُ دَائِمَةٍ۔"

حضرت ابن مبارکؒ نے بیان کیا: کہ حضرت داؤد طائیؒ کے پاس حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ذکر آیا، تو آپ نے فرمایا: آپ وہ تارا ہیں جس سے سفر کرنے والے ہدایت پاتے ہیں، اور آپ وہ علم ہیں جس کو مومنوں کے دل لیتے ہیں۔ ہر وہ علم جو ان کے علم میں نہیں ہے وہ اس علم والے کے لئے آفت ہے۔ اللہ کی قسم ہے ان کے پاس حلال اور حرام کا اور بڑے طاقت ور کے عذاب سے نجات پانے کا علم ہے اور اس علم کے ساتھ عاجزی ورع اور پیوستہ خدمت بھی۔"

"قِيلَ لِأَبِي زَكَرِيَّا يَحْيَى بْنِ مَعِينٍ أَيُّمَا أَحَبُّ إِلَيْكَ الشَّافِعِيُّ۔ أَمْ أَبُو حَنِيفَةَ أَمْ أَبُو يُوسُفَ قَالَ أَمَّا الشَّافِعِيُّ فَلَا أُحِبُّ حَدِيثَهُ وَأَمَّا أَبُو حَنِيفَةَ فَقَدْ حَدَّثَ عَنْهُ قَوْمٌ صَالِحُونَ وَأَمَّا أَبُو يُوسُفَ فَلَمْ مِنْ أَهْلِ الْكَذِبِ، كَانَ صَدُوقًا فَقِيلَ لَهُ فَأَبُو حَنِيفَةَ كَانَ يَصْدُقُ فِي الْحَدِيثِ۔ قَالَ نَعَمْ صَدُوقٌ۔"

حضرت ابو زکریا یحییٰ بن معینؒ سے پوچھا گیا۔ تم کو شافعیؒ، ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ میں کون زیادہ پسند ہے انہوں نے

کہا: میں شافعیؒ کی حدیث پسند نہیں کرتا اور ابو حنیفہؒ سے صالحوں کی ایک جماعت نے روایت کی ہے اور ابو یوسفؒ جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں ہیں، وہ سچے ہیں، پھر ان سے کہا گیا، تو حدیث میں ابو حنیفہؒ سچے ہیں؟ آپ نے کہا: ہاں وہ سچے ہیں۔"

"قَالَ سَعْدُ بْنُ مَعَاذ سَمِعْتُ اِبْرَاهِیْمَ بْنَ رُسْتُمَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا عِصْمَةَ نُوْحَ بْنَ اَبِیْ مَرْیَمَ یَقُوْلُ سَاَلْتُ اَبَا حَنِیْفَةَ مِنْ اَهْلِ الْجَمَاعَةِ فَقَالَ: (۱)۔ مَنْ قَدَّمَ اَبَا بَکْرٍؓ وَعُمَرَؓ، (۲)۔ وَاَحَبَّ عَلِیًّاؓ وَعُثْمَانَؓ، (۳)۔ وَآمَنَ بِالْقَدَرِ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ، (۴)۔ وَلَمْ یُکَفِّرْ مُؤْمِنًا بِذَنْبٍ، (۵)۔ وَلَمْ یَتَکَلَّمْ فِی اللّٰهِ بِشَیْءٍ، (۶)۔ وَمَسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ، (۷)۔ وَلَمْ یُحَرِّمْ نَبِیْذَ الْجَرِّ۔ قَالَ سَعْدُ بْنُ مَعَاذٍ، قَدْ جَمَعَ فِیْ هٰذِهِ الْاَحْرُفِ السَّبْعَةِ مَذَاهِبَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، فَلَوْ اَرَادَ رَجُلٌ اَنْ یَّزِیْدَ فِیْهَا حَرْفًا ثَامِنًا لَمْ یَقْدِرْ عَلَیْهِ۔"

حضرت سعد بن معاذؒ نے کہا: میں نے حضرت ابراہیم بن رستمؒ

سے سُنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے حضرت ابو عصمۃ بن نوح بن مریمؒ کو کہتے سُنا: کہ، میں نے حضرت ابو حنیفہؓ سے اہل جماعت کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: جو (۱) حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مقدم رکھے، (۲) اور حضرت علی و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبّت رکھے؛ (۳) اور خیر و شرّ کو قدر خداوندی سے جانے، (۴) اور کسی مومن کو گناہ کی وجہ سے کافر نہ کہے، (۵) اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے متعلق کوئی بات نہ کہے (۶) اور خُفّین (موزوں) پر مسح کرے، (۷) اور نبیذِ جر کو حرام نہ کہے۔ یہ بیان کر کے حضرت سعدؒ بن معاذ نے کہا: ان (۷) سات جملوں میں مذاہب اہلِ سنت والجماعت کا بیان کر دیا ہے، اگر کوئی چاہے کہ ان میں سے ایک کا اضافہ کر دے وہ نہیں کر سکتا۔

"قَالَ اَبُوْ عُبَیْدٍ سَمِعْتُ الشَّافِعِیَّ یَقُوْلُ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ الْاُسْتَاذِیَّۃَ عَلَیَّ لِمَالِکٍ ثُمَّ لِمُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ، قَالَ اَبُوْ عُبَیْدٍ مَا رَأَیْتُ اَحَدًا اَعْلَمَ بِکِتَابِ اللّٰہِ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ۔"

حضرت ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعیؒ سے سُنا: وہ کہہ رہے تھے: میں جانتا ہوں کہ حضرت مالکؓ کی اور پھر محمد بن الحسنؒ کی استاذیت مجھ پر ہے۔ حضرت ابو عبیدؒ نے کہا: میں نے

محمد بن الحسنؒ سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم کسی کو نہیں دیکھا۔"

"قَالَ اَبُوْ عُبَيْدٍ قَدِمْتُ عَلٰى مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ فَرَأَيْتُ الشَّافِعِيَّ عِنْدَهٗ فَسَأَلَهٗ عَنْ شَيْءٍ فَاَجَابَهٗ فَاسْتَحْسَنَ الْجَوَابَ وَاَخَذَ شَيْئًا وَكَتَبَ فِيْهِ فَرَآهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فَوَهَبَ لَهٗ مِائَةَ دِرْهَمٍ وَقَالَ لَهُ الْزَمْ اِنْ كُنْتَ تَشْتَهِي الْعِلْمَ فَسَمِعْتُ الشَّافِعِيَّ يَقُوْلُ لَقَدْ كَتَبْتُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ وِقْرَ بَعِيْرٍ ذَكَرَ وَلَوْلَاهُ مَا فُتِقَ لِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا فُتِقَ فَالنَّاسُ كُلُّهُمْ فِي الْفِقْهِ عِيَالٌ عَلٰى اَهْلِ الْعِرَاقِ عِيَالٌ عَلٰى اَهْلِ الْكُوْفَةِ وَاَهْلُ الْكُوْفَةِ كُلُّهُمْ عِيَالٌ عَلٰى اَبِيْ حَنِيْفَةَ۔"

حضرت ابو عبیدؒ نے کہا: میں محمد بن الحسنؒ کے پاس آیا، وہاں میں نے حضرت امام شافعیؒ کو ان کے پاس دیکھا۔ محمد بن الحسنؒ نے ان سے پوچھا، امام شافعیؒ نے اس کا جواب دیا، محمد بن الحسنؒ نے جواب پسند کیا۔ امام شافعیؒ نے کوئی چیز اٹھائی اور اس پر کچھ لکھا۔ محمد بن الحسنؒ نے اس کو دیکھا اور سو درہم امام شافعیؒ کو دیئے اور ان سے کہا: مداومت سے آتے رہو اگر تم کو علم کی خواہش ہے۔ پھر میں نے امام شافعیؒ سے سنا وہ کہہ

رہے تھے ، میں نے ایک نراونٹ کا بوجھ علم محمد بن الحسنؒ سے لکھا ہے اور اگر محمد بن الحسنؒ نہ ہوتے مجھ پر علم کی راہ جواب کھلی ہے ، نہ کھلتی ۔ تمام لوگ فقہ میں اہل عراق کے عیال ہیں ۔ اور اہل عراق عیال ہیں اہلِ کوفہ کے ، اور اہل کوفہ تماماً عیال ہیں حضرت ابو حنیفہؒ کے ۔"

"قَالَ الْمُزَنِي لِرَجُلٍ ، مَنْ جَالَسْتَ ـ قَالَ أَصْحَابَ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ ، قَالَ : كَانُوْا وَاللّٰهِ يَمْلَؤُوْنَ الْآذَانَ اذا تكلموا و يفتحون للفقهاء ما ينغلق عليهم اذا غفلوا ، فنظر اليه اصحابه ، فقال واللّٰه ما انا قلته من قبل نفسي حتى سمعت الشافعي يقول ما هو اكثر منه"

حضرت مزنیؒ نے ایک شخص سے کہا : کس کے پاس بیٹھے ہو ؟ اس نے کہا کہ محمد بن الحسنؒ کے اصحاب کے پاس بیٹھا ہوں ۔ مزنی نے کہا : اللہ کی قسم ہے ، یہ لوگ جب بات کیا کرتے تھے "کانوں کو بھر دیا کرتے تھے (یعنی علوم اور مسائل سے) اور فقہاء کے واسطے مشکل مسائل میں جب کہ وہ غافل ہو جاتے تھے ، راہیں کھول دیا کرتے تھے ۔ جب مزنی نے یہ بات کہی ، ان کے اصحاب نے ان کی طرف دیکھا (یعنی تعجب سے کہ حنفیوں کی یہ تعریف کس طرح کی جا رہی ہے) مزنی نے ان سے کہا : اللہ کی قسم ! میں نے اپنی طرف سے یہ بات نہیں کہی ہے بلکہ

ہیں نے امام شافعی سے اس سے زیادہ سُن رکھا ہے۔"

"حضرت یحییٰ بن اکثم رحمہ نے کہا: جب ابو یوسف رحمہ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا وہ اس کا جواب دیتے تھے اور کہتے تھے: یہ ابوحنیفہ رضی کا قول ہے اور جو شخص ابو حنیفہ رح کو اپنے اور اللہ کے بیچ میں رکھے گا اس نے دین کو بری کر لیا۔"

(عربی متن یہ ہے)

قَالَ یَحییٰ بنُ اَکثَم کَانَ اَبُو یُوسُفَ اِذَا سُئِلَ عَن مَسْئَلَۃٍ اَجَابَ فِیھَا وَ قَالَ ھٰذَا قَولُ اَبِی حَنِیفَۃَ وَ مَن جَعَلَہُ بَینَہُ وَبَینَ رَبِّہٖ فَقَدِ اسْتَبرَأ لِدِینِہٖ۔"

ختم شد

وقال الامام ابو یوسف رحؒ

حسبی من الخیرات ما اعددتہ
یوم القیٰمۃ فی رضی الرحمٰن

دین النبی محمد خیر الوریٰ
ثم اعتقادی مذہب النعمان